حصّہ دوم

ذریعۂ معاش، اقتصادیات اورسوسائٹی

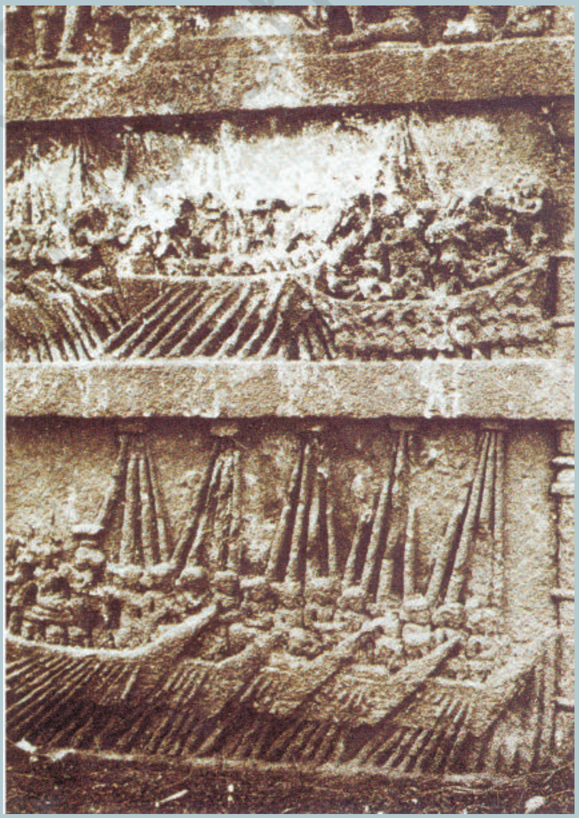

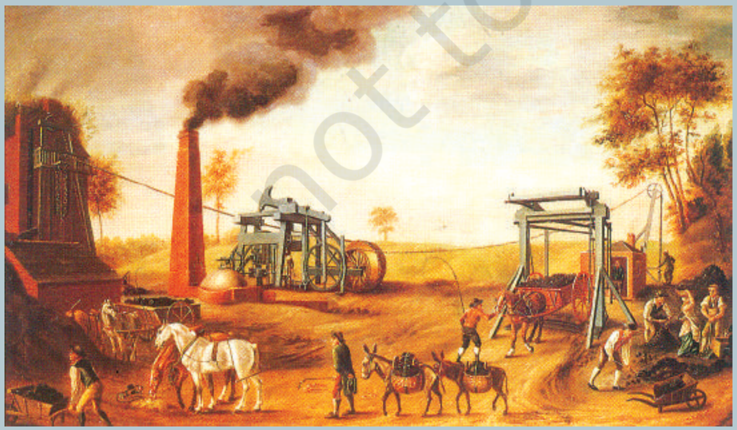

© NCERT
not to be republished

ایک عالمگیر دنیا کا بننا

1 جدید دنیا سے پہلے کی دنیا

جب ہم گلوبلائزیشن کی بات کرتے ہیں تو ہم عموماً اس اقتصادی نظام کا ذکر کرتے ہیں جو لگ بھگ پچھلے پچاس برسوں میں معرض وجود میں آیا ہے۔لیکن جیسا کہ آپ اس باب میں دیکھیں گے کہ عالمگیر دنیا کے بننے کی ایک طویل تاریخ ہے۔تاریخ تجارت کی، کام کے متلاشی لوگوں کے ترک وطن کی، تاریخ سرمائے اور اسی طرح کی بہت سی دوسری چیزوں کی تاریخ۔جب ہم اپنی آج کی زندگیوں میں عالمگیر باہمی رشتوں اور اتصال باہم کی نشانیوں کے بارے میں سوچتے ہیں تب ہمارے لیے ان مرحلوں کو سمجھنا ضروری ہو جاتا ہے جن سے گزر کر یہ دنیا، جس میں ہم رہتے ہیں وجود میں آئی ہے۔

ہماری ساری تاریخ میں انسانی سماج آتے رہے ہیں۔ بتدریج زیادہ منسلک ہوئے ہیں اور ایک دوسرے کے زیادہ قریب۔ قدیم زمانے سے، سیاح، تاجر، مذہبی رہنما اور زائرین نے بڑے بڑے فاصلے طے کیے ہیں۔کبھی علم حاصل کرنے کے لیے، کبھی بہتر مواقع کی تلاش میں۔کبھی تسکین روحانی کی جستجو میں یا کبھی ظلم و جور سے بچنے کے لیے۔ یہ لوگ اپنے ساتھ سامان بھی لے کر چلے، روپیہ، اقدار، مہارتیں، نظریات وخیالات، ایجادات حتیٰ کہ جراثیم اور بیماریوں نے بھی ان کے ساتھ سفر کیا۔آج سے بہت پہلے تین ہزار سال (ق م) ایک سرگرم تجارت نے وادی سندھ کی تہذیب کو آج کے مغربی ایشیا سے متعارف کرا دیا تھا۔ایک ہزار برس سے کچھ زیادہ ہی پہلے مالدیپ کی کوڑیاں (کرنسی کی حیثیت سے استعمال ہوتی تھیں) چین اور مشرقی افریقہ پہنچ چکی تھیں۔ بیماریوں کے جراثیم کی طویل مسافتوں کا سراغ ساتویں صدی تک ملتا ہے۔ستر ہویں صدی تک آتے آتے یہ رابطہ واضح اور نا قابل تردید ہو چکا تھا۔

شکل 1۔گوا کے میوزیم میں ایک یادگاری پتھر پر پانی کے ایک جہاز کی شبیہہ۔دسویں صدی
نویں صدی سے جہازوں کی ایسی شبیہیں مغربی ساحل میں، یادگاری پتھروں پر ملتی ہیں جو بحری تجارت کی اہمیت کو ظاہر کرتی ہیں۔

© NCERT not to be republished

1.1 ریشمی راستے (Silk Routes) دنیا کو ملاتے ہیں۔

شکل 2۔سلک روٹ تجارت جس طرح آٹھویں صدی کی ایک Cave پینٹنگ میں دکھائی گئی۔غار نمبر 217 موگاؤ گروٹو، گانسو، چین۔

ریشمی راستے عہد جدید سے قبل دنیا کے دور دراز حصوں کے تجارتی اور ثقافتی باہمی رشتوں کی اچھی مثالیں ہیں۔ یہ نام، اس راہ سے مغرب کی طرف جانے والے چین کی سلک کے سامان کی اہمیت کی طرف اشارہ کرتا ہے۔تاریخ دانوں نے متعدد ریشمی راستوں کی شناخت کی ہے۔ برّی بھی اور بحری بھی۔ایشیا کے وسیع و عریض علاقوں کو ایک دوسرے سے ملاتے ہوئے اور خود ایشیا کو یورپ اور شمالی افریقہ سے مربوط کرتے ہوئے۔ کہتے ہیں کہ یہ راستے عہد عیسیٰ (Chriest Era) سے قبل بھی تھے اور تقریباً پندرہویں صدی تک چلتے رہے۔ چین کے بنے ہوئے ظروف بھی اسی راستے لے جائے گئے اور بدلے میں قیمتی دھاتیں سونا اور چاندی یورپ سے ایشیا لائے گئے۔

تجارت اور ثقافتی لین دین ہمیشہ ہی دست بدست رہے ہیں۔ ابتدائی چینی مشنریوں نے ایشیا پہنچنے کے لیے یقیناً اس راستے کو استعمال کیا تھا، چند صدیوں بعد مسلمان مبلغین نے بھی اسی راہ کو اپنایا۔ اور اس سب سے بہت پہلے مشرقی ہندوستان سے بدھ ازم نکلا اور ریشمی راستے کے مختلف چوراہوں اور دوراہوں سے ہوتا ہوا مختلف سمتوں میں پھیل گیا۔

1.2 غذاؤں کے سفر — اسپگیٹی اور آلو

غذائیں، طویل فاصلوں کے تہذیبی لین دین کی بہت سی مثالیں پیش کرتی ہیں۔ تاجر اور سیاح جن سرزمینوں پر گئے وہاں انھوں نے نئی فصلوں کو متعارف کرایا۔ دنیا کے دور دراز حصوں میں، تیار (ready) کھانے کے سامانوں کی بھی مشترکہ اساس ہوسکتی ہے۔ اسپگیٹی اور نوڈلس ہی کو دیکھیے۔ خیال ہے کہ نوڈلس چین سے مغرب میں پہنچے اور اسپگیٹی کا نام پایا۔ یا شاید عرب سیاح پاستا (pasta) کو پانچویں صدی کے سسلی (ایک جزیرہ جواب اٹلی میں ہے) میں لے گئے۔

شکل 3۔ وینس اور اورینٹ کے تاجر اشیا کا تبادلہ کرتے ہوئے۔ مارکو پولو بک آف ماروِلس۔ پندرھویں صدی۔

ایسی ہی غذائیں ہندوستان اور جاپان میں بھی جانی پہچانی تھیں۔ اسی لیے ان غذاؤں کی ابتدا اور ان کے آغاز کی حقیقت سے شاید پردہ کبھی نہ اٹھ سکے۔ پھر بھی اس طرح کی قیاس آرائیاں، جدید دنیا سے قبل کی دنیا میں طویل فاصلوں والے ثقافتی رابطوں کے امکانات کی طرف اشارہ ضرور کرتی ہیں۔

پانچ سو برس قبل تک ہمارے اجداد کو آلو سویابین، مونگ پھلی، مکئی، ٹماٹر، مرچ، چقندر وغیرہ جیسی کھانے کی اشیا کی کوئی واقفیت نہیں تھی۔ کرسٹو فر کولمبس کی، وسیع و عریض برصغیر جو بعد کو امریکہ کہلایا اتفاقیہ دریافت کے بعد ہی یورپ اور امریکہ میں یہ غذائی اشیا متعارف ہوئیں (یہاں ہم شمالی امریکہ جنوبی امریکہ اور کیری بیّن کو بیان کرنے میں 'امریکا' استعمال کریں گے۔ حقیقت تو یہ ہے کہ ہماری عام غذائی اشیا امریکہ کے اصل

© NCERT not to be republished

باشندوں یعنی امریکن انڈین کے یہاں سے آئیں۔

بسا اوقات نئی فصلیں (پیداواریں) موت اور زندگی کے درمیان فرق کا سبب بنتی تھیں۔ آلو کے آنے سے یورپ کے غریبوں نے بہتر کھانا شروع کیا اور طویل زندگیاں گزارنے لگے۔ آئرلینڈ کے انتہائی مفلوک الحال کسانوں کی غذا کا آلو پر انحصار کچھ ایسا بڑھا کہ جب وسط 1840 میں بیماریوں نے آلو کی فصل کو تباہ کیا تو سینکڑوں ہزاروں لوگ بھوک سے مر گئے۔

1.3 فتوحات، بیماریاں اور تجارت

سولہویں صدی میں جب یوروپی ملاحوں نے ایشیا کے لیے ایک بحری راستہ دریافت کیا اور امریکہ تک پہنچنے کے لیے مغربی سمندر کو کامیابی کے ساتھ پار کیا تو جدید دنیا سے قبل (Pre—modern) کی دنیا بہت سکڑ گئی، چھوٹی ہوگئی صدیوں پہلے، بحر ہند کو اشیا، افراد، معلومات، رسوم اور رواج وغیرہ کی چہار طرف آتی جاتی ایک پرجوش تجارت کا تجربہ تھا۔ اس بہاؤ میں ہند کے برصغیر کی مرکزی حیثیت تھی اور ان بحری راستوں کے جال میں اس کا ایک اہم مقام تھا—یورپ کے لوگوں کی آمد نے اس بہاؤ کو وسیع تر بنانے اور ان میں سے کچھ کو یورپ کی طرف موڑنے میں مدد کی۔

'دریافت' سے قبل امریکہ لاکھوں برس سے باقی دنیا سے باقاعدہ رابطوں سے محروم تھا۔ مگر سولھویں صدی کے بعد سے اس کی وسیع وعریض زمینوں، اس کی وافر فصلوں اور اس کی معدنیات نے ہر جگہ تجارتی کاروبار اور زندگیوں کو بدلنا شروع کر دیا۔

موجود پیرو اور میکسیکو میں واقع قیمتی دھاتوں، خصوصاً چاندی کی کانوں نے یورپ کی دولت میں اضافہ کیا اور ساتھ ہی ایشیا کے ساتھ اس کی تجارت کے لیے سرمایہ بھی فراہم کی۔ سترہویں صدی میں امریکہ کی فراواں دولت کی کہانیاں چہار طرف پھیل گئیں۔ بے شمار مہمیں سونے کے معروف شہر 'ایل ڈوراڈو' کی تلاش وجستجو میں شروع ہوگئیں۔

سولہویں صدی کے وسط تک، امریکہ کی نوآبادکاری اور اس کی فتح کی پرتگالی اور اسپینی کاروائیاں بڑے قطعی انداز میں شروع ہو چکی تھیں۔ یورپ کی فتح وکامیابی محض ان کی اسلحہ کی قوت کا نتیجہ نہیں تھی۔ درحقیقت اسپینی فاتحین کا سب سے زیادہ طاقت ور ہتھیار کوئی روایتی ہتھیار بالکل نہیں تھا۔ یہ ہتھیار چیچک جیسے امراض کے جراثیم تھے جو وہ اپنے ساتھ لائے تھے۔ طویل علاحدگی کی وجہ سے امریکہ کے اصلی باشندے یورپ سے آنے والی ایسی بیماریوں سے مامون ومحفوظ رہنے کی کوئی صلاحیت نہیں رکھتے تھے۔ چیچک خاص طور پر مہلک ثابت ہوئی۔ یہ مرض جب ایک دفعہ آ گیا تو کسی یوروپین کے وہاں پہنچنے سے پہلے ہی یہ برصغیر (Continent) کے کونے کونے میں پہنچ گیا۔ اس نے ساری کی ساری کمیونیٹیز کو بلاک کیا اور فتح کے لیے راہ ہموار کر دی۔ بندوقیں خریدی جاسکتی ہیں چھینی جاسکتی ہیں اور ان کا رخ درانداز وں کی طرف موڑا جاسکتا ہے مگر چیچک جیسی بیماریوں کے کہ زیادہ تر

شکل 4— آئرلینڈ کا آلو قحط، السٹریٹیڈ لندن نیوز، 1849۔
بھوکے بچے ایک ایسے کھیت میں آلو ڈھونڈتے ہوئے جس میں فصل کاٹی جا چکی تھی اور کھیت صاف کیا جا چکا تھا۔ 1845 اور 1849 کے درمیان ہونے والے آئرش آلو قحط میں ایک لاکھ افراد جاں بحق ہوئے اور دوگنی تعداد نے کاروبار کی تلاش میں ترک وطن کیا۔

باکس 1

'حیاتیاتی' جنگ؟

میساچوسٹس کی بے کالونی (Bay Colony) کے پہلے گورنر جان ون تھا رپ نے مئی 1634 میں لکھا تھا کہ چیچک 'نوآبادکاروں کے لیے رحمت ثابت ہوئی..... تقریباً سارے مقامی باشندے چیچک میں مبتلا ہو کر مر گئے اور لارڈ نے ہمارے اس حق کی توثیق کر دی جو ہمیں ان چیزوں پر ہے جو ہمارے پاس ہیں۔

© NCERT not to be republished

فاتحین جن سے محفوظ رہنے کی صلاحیت رکھتے تھے، رخ اس طرح موڑے نہیں جا سکتے تھے۔

19 ویں صدی تک مفلسی اور بھوک یورپ میں بڑی عام تھی۔ شہر گنجان تھے اور مہلک بیماریاں ہر طرف پھیلی ہوئی تھیں۔ مذہبی تنازعات تھے اور عقائد سے گریزاں افراد کو آزار پہنچائے جاتے تھے۔ اسی لیے ہزاروں لوگ یورپ چھوڑ کر امریکہ کی طرف بھاگے۔ اٹھارہویں صدی آتے آتے یہاں افریقہ میں پکڑے ہوئے غلاموں سے کاشت کی جانے والی زمینیں، یورپی منڈی کے لیے کپاس اور گنا اگانے لگیں۔

اٹھارہویں صدی میں چین اور ہندوستان دنیا کے امیر ترین ملکوں میں سے تھے۔ یہ ایشیا کی تجارت میں بھی برتر اور نمایاں تھے۔ بہرحال، پندرہویں صدی عیسوی سے کہتے ہیں کہ چین نے سمندر پار رابطوں کو کم کر دیا اور علاحدگی کی طرف مراجعت کی۔ چین کے اس تخفیف شدہ رول اور امریکہ کی بڑھتی ہوئی اہمیت نے عالمی تجارت کے مرکز کو مغرب کی جانب دھکیل دیا۔ اب عالمی تجارت کے مرکز کی حیثیت سے یورپ سامنے آیا۔

نئے الفاظ

Dissenter (منحرف)۔ ایسا شخص جو مصدقہ عقائد و اعمال سے روگردانی کرے۔

تبادلۂ خیال کیجیے

جب ہم یہ کہتے ہیں کہ سولہویں صدی میں دنیا سکڑ گئی تو ہمارا کیا مطلب ہوتا ہے۔ وضاحت کیجیے۔

شکل 5— غلام برائے فروخت۔ نیو آر ین، السٹریٹیڈ نیوز، 1851۔
ایک امکانی خریدار نیلام کی لائن میں کھڑا ہوا غلاموں کی جانچ پڑتال کر رہا ہے۔ آپ اونچی ٹوپیوں اور سوٹ میں ملبوس سات مردوں اور چار عورتوں کو اور ان کے ساتھ دو بچوں کو دیکھ سکتے ہیں جو اپنے بکنے کا انتظار کر رہے ہیں۔ خریداروں کو اپنی طرف متوجہ کرنے کے لیے غلام اکثر اپنے بہترین کپڑے پہنتے تھے۔

2 انیسویں صدی(1914—1815)

انیسویں صدی میں دنیا بے پناہ بدل گئی۔اقتصادی،سیاسی،سماجی،ثقافتی اورٹکنالوجیکل عوامل نے سماجوں کوتبدیل کرنے اور بیرونی تعلقات کونئی شکل دینے کے لیے بڑے پیچیدہ طریقوں سے باہمی تفاعل(Interatcion) کیا۔

ماہرین اقتصادیات نے بین الاقوامی مبادلوں مین تین قسم کی حرکات یالہروں کی نشان دہی کی۔پہلی لہر تجارت کی جس کاتعلق انیسویں صدی میں زیادہ تر اشیا(جیسے کپڑا یا گیہوں)کے کاروبار سے تھا۔دوسری لہرمزدوروں(Labour) کی ہے۔ملازمت کی تلاش میں لوگوں کا ترک وطن۔تیسری لہر ہے،دوردراز مقامات میں طویل اورقلیل مدتی سرمایہ کاری کے لیے سرمائے کی نقل وحرکت۔

یہ تینوں لہریں ایک دوسرے سے گتھی ہوئی تھیں اور انھوں نے لوگوں کی زندگیوں پر ہمیشہ سے کہیں زیادہ اثر ڈالا تھا۔یہ داخلی رشتے کبھی کبھی منقطع بھی کیے جاسکتے تھے۔مثال کے طور پر مزدوروں کا ترک وطن اشیا اور سرمائے کے بہاؤ کے مقابلے میں اکثر زیادہ پابند اور محدود تھا۔لیکن پھر بھی ان تینوں لہروں پر بحیثیت مجموعی نظر ڈالنا،انیسویں صدی کی عالمی اقتصادیات کو سمجھنے میں ہماری بڑی مدد کرتا ہے۔

2.1 عالمی اقتصادیات کی ایک شکل وجود میں آتی ہے۔

صنعتی یورپ میں غذا کی پیداوار اوراس کے استعمال کی بدلتی ہوئی صورت حال بات شروع کرنے کے لیے سب سے زیادہ مناسب مقام ہے۔روایتی طور پر ممالک خوراک کے معاملے میں خود کفیل ہونا پسند کرتے تھے۔مگرانیسویں صدی کے برطانیہ میں خوراک میں خودکفالتی کا مطلب پست معیارزندگی اورسماجی کشمکش تھا۔ایسا کیوں تھا؟

اٹھارہویں صدی کے نصف آخر سے برطانیہ میں اضافہ آبادی نے غلے کی مانگ بڑھادی تھی۔جوں جوں شہری مراکز بڑھےاورصنعت میں فروغ ہوازرعی پیداواروں کی مانگ بھی بڑھی اورساتھ ہی اجناس کی قیمتوں میں بھی اضافہ ہوا۔زمیندارگروہوں کے دباؤ سےحکومت نے بھی غلے کی درآمد پر پابندیاں لگادیں۔جوقوانین حکومت کو ان پابندیوں کا اختیار دیتے تھے۔وہ'Corn Laws' کہلاتے تھے۔اشیائے خوردنی کی زیادہ قیمتوں سے ناراض ہوکرصنعت کاروں اورشہروں میں رہنےوالوں نے'Corn Laws' کوزوردے کرختم کرادیا۔

اس قانون کےختم ہونے کے بعداشیائے خوردنی برطانیہ میں ملک کی داخلی پیداوار کے مقابلے میں زیادہ سستی قیمتوں پردرآمد ہوسکتی تھیں۔نتیجتاً برطانیہ کی زراعت درآمدات کا مقابلہ کرنے کے لائق نہیں رہی۔آراضی کے بڑے بڑے قطعے بے جوتے بوئے رہ گئے اورمرداورعورتیں کام سے نکال دی گئیں۔ان لوگوں نےشہروں کارخ کیایاپھرسمندرپارترک وطن۔

© NCERT not to be republished

اشیائے خوردنی کی قیمتیں گریں۔ برطانیہ میں ان کا استعمال بڑھ گیا۔ برطانیہ میں وسط انیسویں صدی سے ہونے والی تیز رفتار صنعتی ترقی زیادہ آمدنیوں کی طرف لے گئی اور نتیجتاً غذا کی درآمد کی طرف۔ دنیا میں چاروں طرف، مشرقی یورپ، روس، امریکہ اور آسٹریلیا میں زمینیں تیار کی گئیں اور برطانیہ کی مانگوں کو پورا کرنے کے لیے غذائی پیداوار کو وسعت دی گئی۔

زراعت کے لیے زمینوں کا تیار کیا جانا ہی کافی نہیں تھا۔ ریلوں کے ذریعے زرعی علاقوں کو بندرگاہوں سے ملانا ضروری تھا۔ مال برداری کے لیے نئی گودیوں کی تعمیر اور پرانی گودیوں میں توسیع کرنا ضروری ہوگیا تھا۔ اگر زمینوں کو زیر کاشت، لانا تھا تو وہاں لوگوں کی رہائش کا اہتمام بھی لازمی تھا۔ اس کا مطلب تھا گھروں اور بستیوں کی تعمیر۔ ان سب سرگرمیوں کے لیے سرمائے اور مزدوروں کی ضرورت تھی۔

سرمایہ تو لندن کے مالیاتی مرکزوں سے آگیا۔ جیسے امریکہ اور آسٹریلیا جیسی جگہوں سے جہاں مزدور خود ہی کم تھے مزدوروں کی مانگ نے ترک وطن کو مزید بڑھادیا۔

19 ویں صدی میں یورپ سے ترک وطن کر کے تقریباً پانچ کروڑ لوگ امریکہ اور اسٹریلیا گئے۔ اگر ساری دنیا میں دیکھا جائے تو تقریباً ایک ارب پانچ کروڑ (150 million) لوگوں نے ایک بہتر مستقبل کی تلاش میں اپنے گھروں کو چھوڑا، سمندروں کو پار کیا، خشکی میں طول طویل فاصلوں کو طے کیا۔

شکل 6۔ تارکین وطن کا جہاز امریکہ کے لیے روانہ ہورہا ہے۔ ایم.ڈبلیو رڈلے، 1869

شکل 7۔ آئرلینڈ کے تارکین وطن جہاز پر سوار ہونے کے انتظار میں۔ از مائیکل فرٹز جیرالڈ، 1874

© NCERT not to be republished

اس طرح 1890 تک ایک عالمی (گلوبل) زراعتی اقتصادیات وجود میں آ چکی تھی اور اپنے جلو میں مزدوروں کی نقل وحرکت، سرمائے کے بہاؤ، ماحولیات اور ٹکنالوجی کے انداز میں بڑی پیچیدہ تبدیلیاں لائی تھی۔ خوراک اب پاس کے گاؤں یا قصبے سے نہیں بلکہ ہزاروں میل دور سے آتی تھی۔ اب اسے ایسا کسان نہیں پیدا کرتا تھا جو اپنی زمین خود جوتتا بوتا تھا، اس کے بجائے اسے ایک زرعی مزدور پیدا کرتا تھا جس کی آمد شاید ابھی ابھی ہوئی تھی اور جو کسی بڑے فارم پر کام کرتا تھا۔ فارم جو محض ایک نسل پہلے بہت امکان ہے کہ کوئی جنگل رہا ہوگا۔ سامان اب ان ریلوں کے ذریعے بھیجا اور لایا جاتا تھا جو اسی مقصد کے لئے چلائی گئی تھیں۔ اب وہ جہاز اس سامان کو ڈھونڈتے تھے جن میں جنوبی یورپ کے کم اجرت پانے والے مزدور کام کرتے تھے۔

سرگرمی

تصور کیجیے کہ آپ ایک ایسے زرعی مزدور ہیں جو آئرلینڈ سے امریکہ آیا ہے۔ آپ نے یہاں آنے کا انتخاب کیوں کیا اور اپنی روزی کیوں کر کمار ہے ہیں۔ ایک پیراگراف لکھیے۔

سرگرمی

ایک چارٹ بنائیے جس میں دکھائیے کہ برطانیہ کا خوراک درآمد کرنے کا فیصلہ امریکہ اور آسٹریلیا کے لیے ترک وطن کا محرک بنا۔

ایسی ہی کچھ ڈرمائی تبدیلی، اگرچہ نسبتاً چھوٹے پیمانے پر، گھر کے قریب پنجاب میں ہوئی۔ یہاں ہندوستان کی برطانوی حکومت نے بیکار پڑی ہوئی نیم ریگستانی زمین کو زرخیز زراعتی زمین بنانے کے لیے آب پاشی کی نہروں کا ایک جال بچھا دیا تا کہ ان زمینوں میں برآمد کرنے کے لیے گیہوں اور کپاس اگایا جا سکے۔ کینال کالونیوں میں (جن علاقوں میں آب پاشی ان نہروں سے ہوئی وہ اسی نام سے پکاری جاتی تھیں) جو کسان آباد ہوئے وہ پنجاب کے دوسرے علاقوں کے تھے۔

غذا تو محض ایک مثال ہے، ایسی ہی کہانی کپاس کے بارے میں بھی سنائی جا سکتی ہے جس کی کاشت، برطانیہ کے ٹکسٹائل ملوں کو خام مال مہیا کرنے کے لیے ساری دنیا میں بڑھ گئی۔ پھر ربر ہے، اشیا کی پیداوار میں علاقائی تخصیص (Regional Specialization) کا فروغ اس تیزی سے ہوا کہ 1820 اور 1914 کے درمیان، خیال ہے کہ عالمی تجارت پچیس سے چالیس گنا تک بڑھ گئی۔ اس تجارت کا تقریباً ساٹھ فی صدی حصہ پرائمری پروڈکس، پر مشتمل تھا۔ جن میں گیہوں اور کپاس جیسی زرعی پیداواریں اور کوئلے جیسی معدنی پیداواریں شامل تھیں۔

2.2 ٹکنالوجی کا رول

اس سب میں ٹکنالوجی کا رول کیا تھا؟ مثال کے طور پر ریلویز، دخانی جہاز، ٹیلی گراف بڑی اہم ایجادات تھیں، جن کے بغیر ہم انیسویں صدی کی بدلی ہوئی دنیا کا تصور نہیں کر سکتے۔ مگر ٹکنالوجی کی ترقیاں عموماً زیادہ بڑے سماجی، سیاسی اور اقتصادی عوامل کے نتائج ہوتی تھیں۔ مثلاً نوآبادکاری نے نئی سرمایہ کاری کی ہمت افزائی کی اور ذرائع نقل وحمل کو بہتر بنانے کی تحریک پیدا کی غذائی اشیا کو زیادہ، سستے داموں اور سرعت کے دور دراز فارموں سے منڈیوں تک پہنچایا۔

© NCERT not to be republished

شکل 8— اسمتھ فیلڈ کلب مویشی نمائش۔ السٹریٹیڈ لندن نیوز، 1851۔
کسانوں کے لائے ہوئے برائے فروخت مویشی میلوں میں بیچے جاتے تھے۔ لندن میں سب سے پرانا مویشیوں کا بازار اسمتھ فیلڈ میں تھا۔ انیسویں صدی کے وسط میں انڈے مرغی اور گوشت کا بازار، اسمتھ فیلڈ کو گوشت سپلائی کرنے والے تمام مراکز کو ملانے والی ریلوے لائن کے قریب قائم ہوا۔

گوشت کی تجارت اس مربوط ومنسلک عمل کی اچھی مثال ہے۔ 1870 تک زندہ جانور جہازوں کے ذریعے امریکہ سے یورپ بھیجے جاتے تھے جہاں پہنچنے کے بعد انہیں ذبح کیا جاتا تھا۔ مگر زندہ جانور جہاز میں جگہ بہت گھیرتے تھے۔ بہت سے جانور راستے ہی میں مر بھی جاتے تھے، بیمار ہوجاتے تھے دبلے ہوجاتے تھے جس کی وجہ سے ان کا وزن بھی کم ہوجاتا تھا یا پھر کھانے کے قابل ہی نہیں رہتے تھے۔ نتیجتاً گوشت کھانا ایک ایسی قیمتی عیاشی بن گیا تھا جو یورپ کے غریب لوگوں کی استطاعت سے باہر تھی۔ زیادہ قیمتوں نے اس وقت تک پیداوار کو بھی کم رکھا جب تک کہ ایک نئی ٹکنالوجی دریافت نہیں ہوگئی۔ یعنی ریفریجریٹیڈ جہاز نہیں بن گئے جنہوں نے گلنے، سڑنے اور خراب ہوجانے والی اشیا کو بغیر خراب ہوئے دور دراز مقامات تک بھیجنے کے کام کو آسان بنادیا۔

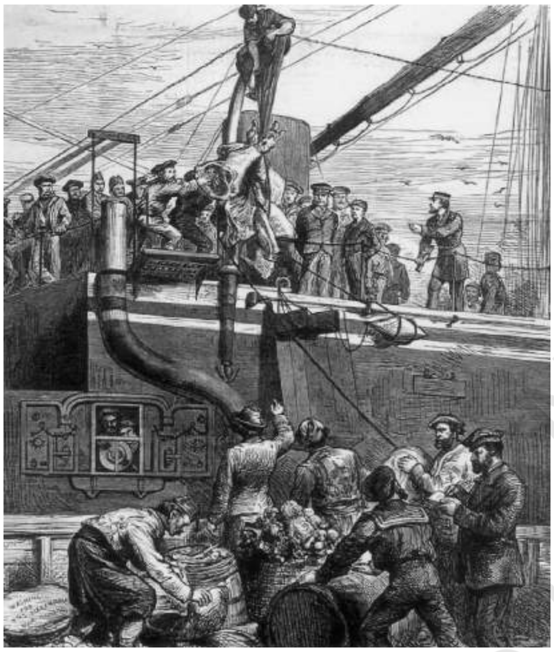

شکل 9۔ گوشت جہاز پر لادا جارہا ہے۔ الگزینڈر را۔ السٹریٹیڈ لندن نیوز، 1878۔
گوشت کی برامدات صرف اسی وقت ممکن ہوسکیں جب جہازوں کو ٹھنڈا (refrigerated) بنایا گیا۔

اب جانور اپنے نقطۂ آغاز پر یعنی امریکہ، آسٹریلیا یا نیوزی لینڈ ہی میں ذبح ہونے لگے اور انھیں یخ بستہ (Frozen) گوشت کی شکل میں یورپ بھیجا جانے لگا۔ اس طریقے نے مال برداری پر آنے والی لاگت کو بھی کم کیا اور یورپ میں قیمتیں بھی کم ہوگئیں۔ یورپ کا غریب آدمی بھی اب متنوع غذائیں استعمال کرنے کے لائق ہوگیا روٹی اور آلو کی پچھلی یکسانیت کے بجائے اب لوگ اگرچہ سب نہیں، اپنے کھانے میں گوشت (اور مکھن اور انڈے) کا اضافہ کرسکتے تھے۔ زندگی کے نسبتاً بہتر حالات نے ملک کے اندر سماجی امن وامان کو فروغ دیا اور بیرون ملک امپیریل ازم کے لیے حمایت پیدا کی۔

2.3 آخر انیسویں صدی کا نوآبادیات

19 ویں صدی کے اواخر میں تجارت پھلی پھولی اور بازاروں میں وسعت پیدا ہوئی مگر یہ زمانہ صرف وسیع تجارت اور بڑھی ہوئی خوشحالی کا نہیں تھا۔ اس بات کا احساس بہت ضروری ہے کہ اس سارے عمل کا ایک تاریک پہلو بھی تھا۔ دنیا کے بہت سے حصوں میں، تجارت کی وسعت اور عالمی معیشت سے قریبی رشتوں کا مطلب آزادیوں میں کمی اور روزگار میں تخفیف بھی تھا۔ آخری انیسویں صدی کی یوروپی کامیابیوں نے بہت سی تکلیف دہ اقتصادی، سماجی اور ماحولیاتی تبدیلیاں پیدا کیں جن کے سائے میں نوآبادیاتی سماج عالمی اقتصادیات کے دائرے میں لائے گئے۔

not to be republished

افریقہ کے نقشے پر نظر ڈالیے (شکل 10) آپ دیکھیں گے کہ بعض ملکوں کی سرحدیں تو سیدھی ہیں اور ایسا لگتا ہے کہ انھیں فٹ رول رکھ کر بنایا گیا ہے۔ حقیقت یہی ہے کہ تقریباً یہی طریقہ تھا جس سے حریف یورپی طاقتوں نے افریقہ میں اپنے علاقوں کی نشاندہی کے لیے سرحدوں کا تعین کیا۔ 1885 میں افریقہ کو آپس میں تقسیم کرنے کے لیے بڑی یورپی طاقتوں نے ایک میٹنگ کی۔ برطانیہ اور فرانس نے آخر انیسویں صدی میں اپنے سمندر پار علاقوں میں بڑے بڑے اضافے کیے۔ بلجیم اور جرمنی نئی نوآبادکار قومیں بن گئے۔ امریکہ بھی بعض ان کالونیوں پر قبضہ کرنے کے بعد جن پر پہلے اسپین کا قبضہ تھا، ایک نوآبادیاتی قوت بن گیا۔

آیئے ہم اس تباہ کن اثر کی ایک مثال دیکھیں جو نوآبادیات نے اپنے زیر اثر آنے والی کالونیوں کے عوام کی معیشت اور ان کے روزگار پر ڈالا۔

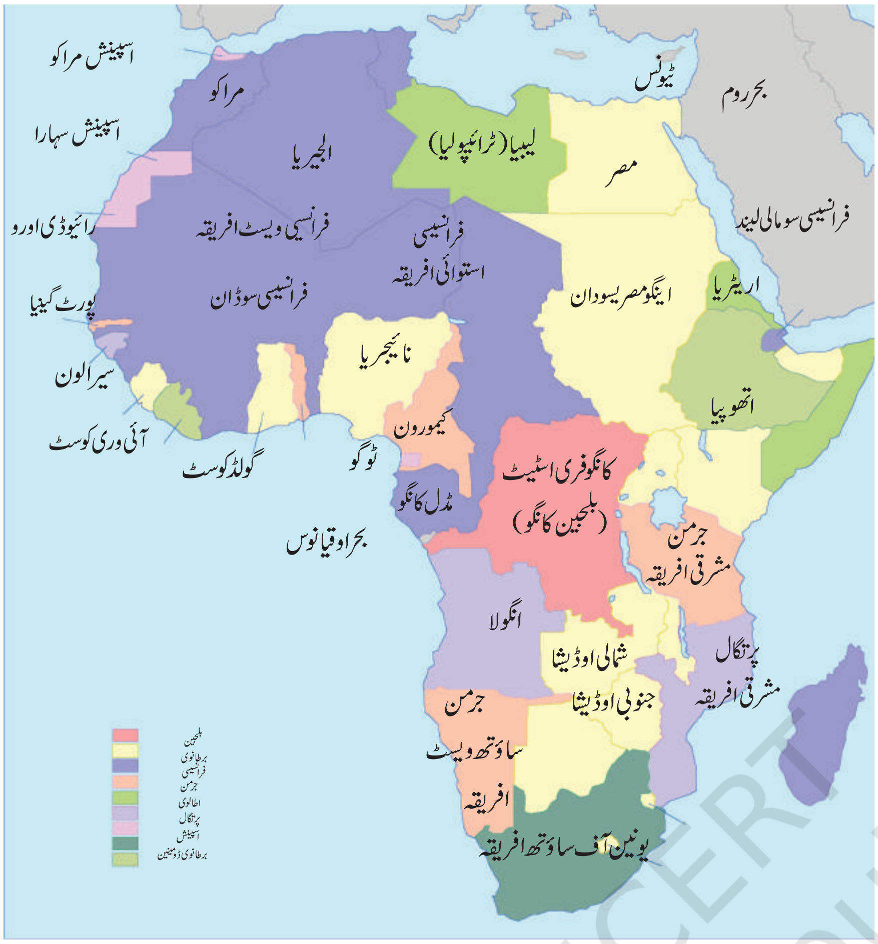

شکل 10۔ انیسویں صدی کے آخر میں نوآبادیات افریقہ کا نقشہ

باکس 2

سر ہنری مورٹن اسٹینلے، مرکزی افریقہ میں اسٹینلے ایک صحافی، محقق اور کھوجی تھا جسے نیویارک ہیرالڈ نے لیونگسٹن کی تلاش میں بھیجا تھا۔ لیونگسٹن ایک مشنری اور محقق تھا جو کئی برسوں تک افریقہ میں رہا تھا۔ اس زمانے کے دوسرے یوروپین اور امریکی محققوں کی طرح اسٹینلے بھی وہاں ہتھیاروں کے ساتھ گیا تھا۔ اس نے مقامی شکاریوں، سپاہیوں اور مزدوروں کو اپنی مدد کے لیے جمع کیا۔ مقامی قبیلوں سے لڑائیاں لڑیں، افریقی سرزمین کی تفتیش کی اور مختلف علاقوں کی نقشہ کشی کی۔ ان تحقیقات نے افریقہ کی فتح میں مدد کی۔ اِس جغرافیائی تحقیقات کی محرک سائنسی معلومات کی معصوم و بے ضرر تلاش و جستجو نہیں تھی، ان کا براہِ راست تعلق امپریل منصوبوں سے تھا۔

شکل 11 — سر ہنری مورٹن اسٹینلے اور ان کے خدام مرکزی افریقہ میں۔ السٹریٹیڈ لندن نیوز، 1871۔

2.4 رائنڈر پسٹ (Rinder pest) یا مویشیوں کا پلیگ

1890 کی دہائی میں افریقہ میں تیز رفتاری سے پھیلنے والی پلیگ کی وبا نے لوگوں کے روزگار اور مقامی اقتصادیات پر بھیانک اثرات ڈالے۔ نوآبادیاتی سماجوں پر یورپی امپیریلزم کے دوررس اثرات کی یہ ایک اچھی نظیر ہے۔

یہ نظیر ہمیں دکھاتی ہے کہ فتوحات کے اس عہد میں مویشیوں پر اثر انداز ہونے والی ایک بیماری بھی کس طرح ہزاروں لوگوں کی زندگیوں اور ان کے مقدّرات کو نئی شکل وصورت عطا کرتی ہے اور باقی دنیا سے ان کے تعلقات کی ازسرِنو تشکیل کرتی ہے۔

تاریخی طور پر، افریقہ کے پاس فراواں زمین تھی اور آبادی نسبتاً مختصر۔ صدیوں تک زمین اور مویشیوں نے افریقیوں کی روزی روٹی کا وسیلہ فراہم کیا تھا اور لوگوں نے اجرت کے لیے شاذ و نادر ہی کام کیا تھا۔ آخر انیسویں صدی کے افریقہ میں معدودے چند ہی ایسی استعمالی اشیا تھیں جنھیں اجرتوں کی آمدنی سے خریدا جا سکتا تھا۔ اگر آپ زمین اور مویشی رکھنے والے افریقی ہوتے اور ایسے لوگ بہت تھے، تو آپ نے بھی اجرت کی خاطر کام کرنے کا کوئی جواز نہ دیکھا ہوتا۔

انیسویں صدی کے آخری زمانے میں یورپی لوگوں کی دلچسپی افریقہ میں وہاں کی وافر زمین اور وہاں کی معدنیات کے وسائل کو دیکھ کر ہوئی۔ باغات (Plantation) اور کانیں قائم کرنے اور فصلوں کی پیداوار اور معدنیات یورپ بھیجنے کی توقعات لے کر افریقہ آئے تو وہاں ایک غیر متوقع مسئلہ سامنے تھا۔ اجرت پر کام کرنے والے مزدوروں کی قلت کا مسئلہ۔

ملازم رکھنے والوں نے، مزدوروں کی بھرتی اور انھیں کام پر لگائے رکھنے کے لیے بہت سے طریقے اپنائے۔ بھاری بھاری ٹیکس لگائے کہ جن کی ادائیگی صرف باغات اور کانوں میں

شکل 12۔ ٹرانسوال کی سونے کی کانوں تک نقل وحمل۔
ٹرانس وال کی ان کانوں تک نقل وحمل کا سب سے تیز رفتار طریقہ Wilge دریا کو پار کرنا تھا۔ وِٹ واٹرس رینڈ میں سونے کی دریافت کے بعد یورپی لوگ بیماری اور موت کے خدشے اور سفر کے مصائب کے باوجود اس علاقے کی طرف جھپٹ پڑے 1890 کی دہائی تک سونے کی عالمی پیداوار میں افریقہ کا حصہ لگ بھگ بیس فیصدی تھا۔

شکل 13۔ ساؤتھ افریقہ میں ٹرانس وال میں سونے کی کانوں میں کان کن — گریفک، 1875۔

اجرت پر کام کرنے کے بعد ہی کی جاسکتی تھی۔ وراثت کے قانون بدلے گئے تاکہ کسانوں کو زمین سے بے دخل کیا جاسکے۔ ورثے میں زمین پانے کا حق خاندان کے صرف کسی ایک فرد کو دیا گیا۔ جس کے نتیجے کے طور پر خاندان کے دوسرے لوگ مزدور منڈیوں کی طرف جانے پر مجبور ہوئے۔ کانوں میں کام کرنے والے مزدوروں کو بھی ان کے احاطوں میں رکھا جاتا تھا انھیں ادھر ادھر آزادانہ گھومنے پھرنے کی اجازت نہیں تھی۔

پھر rinderpest کی وبا آئی۔ یہ مویشیوں کی ایک تباہ کن بیماری ہے افریقہ میں مرض 1880 کی دہائی کے آخری زمانے میں آیا۔ یہ وبا افریقہ میں، برٹش ایشیا سے درآمد کیے ہوئے ان متاثر مویشیوں کے ذریعے تھی جو مشرقی افریقہ میں اریٹریا (Eritea) پر حملہ کرنے والے اطالوی سپاہیوں کو کھلانے کے لیے لائے جاتے تھے۔ مشرق کی سمت سے افریقہ میں داخل ہونے والی یہ بیماری مغرب کی طرف جنگل کی آگ کی طرح پھیلی۔ اور 1902 میں افریقہ کے اٹلانٹک ساحل تک پہنچ گئی۔ پانچ سال بعد یہ افریقہ کے انتہائی جنوبی کنارے کیپ (Cape) پہنچ گئی۔ راہ میں اس نے نوے فیصد مویشیوں کی جانیں لے لیں۔

مویشیوں کے اس اتلاف نے افریقہ کے ذرائع معاش کو تباہ کر کے رکھ دیا۔ اپنی قوت کو مزید مستحکم کرنے اور افریقیوں کو مزدوری کے بازار میں آنے پر مجبور کرنے کے لیے باغبانوں (Planters) کانوں کے مالکوں اور نوآبادیاتی حکومتوں نے بچے کھچے مویشیوں کو بڑی کامیابی کے ساتھ اپنی جاگیر بنالیا۔ مویشیوں کے بچے کھچے محدود وسائل پر کنٹرول نے یورپی نوآبادکاروں کو افریقہ پر فتح پانے اور اسے تابع اور مطیع بنانے کے لائق کر دیا۔

19 ویں صدی کی دنیا کے دوسرے حصوں میں مغرب کے فتوحات کے اثرات کی ایسی داستانیں اور بھی سنائی جاسکتی ہیں۔

2.4 ہندوستان سے بندھوا مزدور ترک وطن

ہندوستان سے بندھوا مزدوروں کے ترک وطن کی مثال انیسویں صدی کی دنیا کی دو پہلو فطرت کی توضیح بھی کرتی ہے۔ یہ دنیا تیز رفتار اقتصادی ترقی کی دنیا تھی اور ساتھ ہی عظیم مصائب کی دنیا بھی تھی کچھ لوگوں کے لیے زیادہ آمدنیاں کچھ کے لیے افلاس بعض علاقوں میں ٹکنالوجیکل ترقیاں اور دوسرے علاقوں میں نوع بہ نوع ظلم و جبر۔

انیسویں صدی میں ہندوستان اور چین کے ہزاروں لاکھوں مزدور، دنیا بھر میں، باغات (Plantation) اور کانوں میں اور ریل کی پٹریوں اور سڑکوں کی تعمیر کے پروجیکٹوں میں کام کرنے کے لیے گئے۔ بندھوا مزدوروں سے ایک معاہدے کے تحت اپنے مالک کے باغات پر پانچ سال کام کرنے کے بعد ہندوستان واپس جانے کے لیے کرایہ دیے جانے کا وعدہ ہوتا تھا۔

زیادہ تر بندھوا مزدور آج کے مشرقی اترپردیش، بہار، سنٹرل انڈیا اور تامل ناڈو کے خشک علاقوں سے آتے تھے۔ وسط انیسویں صدی میں ان علاقوں نے بہت سی تبدیلیاں دیکھیں۔ گھریلو صنعتوں پر

نئے الفاظ

بندھوا مزدور (Indentured Labour): ایک بندھوا مزدور کو قانونی معاہدے کے تحت اپنے آقا کے یہاں کسی نئے ملک آنے یا اپنے گھر جانے کے کرائے کی ادائیگی کے لیے ایک معینہ مدت تک کام کرنا ہوتا تھا۔

© NCERT not to be republished

زوال آیا، زمینوں کے کرائے بڑھ گئے۔ باغوں اور کانوں کے لیے زمینیں صاف کی گئیں۔ ان سب باتوں کا غریب کی زندگی پر اثر پڑا، وہ اپنے کرائے ادا نہیں کر سکے، بے پناہ مقروض ہوئے اور کام کی تلاش میں ترک وطن پر مجبور ہو گئے۔

ہندوستان کے ان بندھوا مزدوروں کی منزل زیادہ تر کیریبین جزائر (خصوصاً ترینیداد، گویانا اور سورینام) ماریشس اور فیجی تھیں۔ گھر سے قریب تامل تارکین وطن سیلون اور ملایا گئے۔ بندھوا مزدور آسام میں چائے کے باغات کے لیے بھی بھرتی کیے گئے۔

شکل 14۔ ہندوستانی بندھوا مزدور ترینڈاڈ میں کوکو کے باغات میں۔ اوائل انیسویں صدی۔

یہ بھرتی مالکوں کے مقرر کیے ہوئے ان ایجنٹوں کے ذریعے ہوتی تھی جنھیں کچھ کمیشن بھی ملا کرتا تھا۔ بہت سے تارکین وطن افلاس کا مقابلہ کرنے اور اپنے گاؤوں میں ہونے والے جبر و ظلم سے بچنے کی توقع کے ساتھ کام کرنے پر تیار ہو جاتے تھے۔ مستقبل میں ترک وطن کرنے والے لوگوں کو ایجنٹس، جگہ، سفر کے طریقوں، کام کی نوعیت اور قیام و کام کے حالات سے متعلق غلط معلومات فراہم کر کے بھی ورغلاتے تھے۔ اکثر اوقات تو تارکین وطن کو یہ بھی نہیں بتایا جاتا تھا کہ انہیں طول طویل بحری سفر کرنا ہے۔ بسا اوقات ایسا بھی ہوتا تھا کہ ترک وطن پر راضی نہ ہونے والوں کو یہ ایجنٹ اغوا بھی کر لیتے تھے۔

تبادلۂ خیال کیجیے

قومی شناخت بنانے میں زبان اور عوامی روایات کی اہمیت پر بحث کیجیے۔

انیسویں صدی کے پابند بنانے والے ان معاہدوں کو 'غلامی کا ایک نیا نظام' بھی کہا جاتا تھا۔ باغات کی جگہوں پر بھیجنے کے بعد مزدوروں کو وہاں کے حالات اپنے سوچے ہوئے حالات سے بالکل مختلف نظر آتے تھے۔ کام اور رہنے کے حالات انتہائی تکلیف دہ ہوتے تھے اور آئینی حقوق برائے نام تھے۔

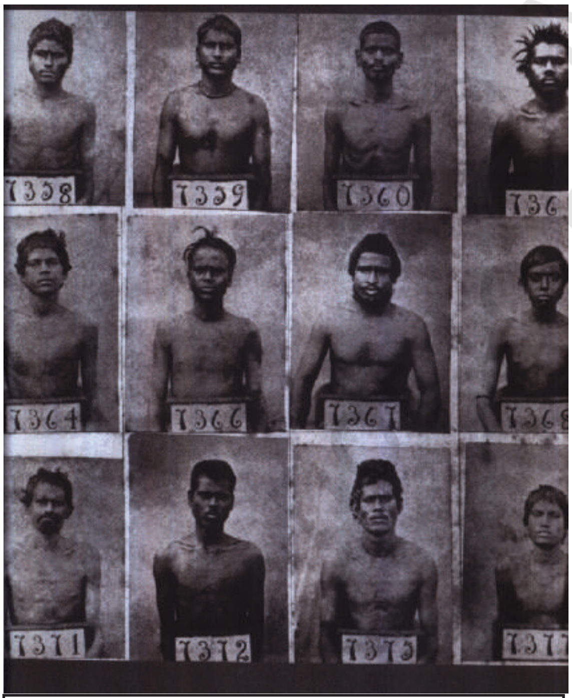

شکل 15۔ بندھوا مزدوروں کی پہچان کے لیے ان کی تصویریں کھینچیں۔
مالکان کے لیے نام نہیں تعداد زیادہ اہم تھی۔

لیکن ایسے حالات میں زندہ رہنے کے لیے مزدوروں نے خود اپنے ڈھنگ دریافت کیے۔ ان میں سے بہت سے جنگلوں کی طرف بھاگے، اگرچہ پکڑے جانے کے بعد سزائیں شدید تھیں۔ دوسرے تھے جنھوں نے اظہار ذات کے لیے نجی اور اجتماعی نئے طور طریقے ایجاد کر لیے جن میں انھوں نے نئے اور پرانے ثقافتی انداز ہم آہنگ کیے۔ ترینیداد میں محرم کے سالانہ جلوس کو انھوں نے عوامی تفریح کا ایک موقع بنا دیا، جسے نام دیا 'حوسے' (امام حسین کی رعایت سے) کا۔ اور جن میں تمام نسلوں اور تمام مذاہب کے مزدور شریک ہوئے۔ اسی طرح Rastafarianism کا باغی مذہب (جسے جمائیکا کے معروف راگی باب مارلے نے شہرت بخشی) کے بارے میں کہا جاتا تھا کہ اس میں کیری بین جانے والے ہندوستانی تارکین وطن سے سماجی اور تہذیبی رشتوں کا پرتو نظر آتا تھا۔ ترینیداد اور گویانا کا مقبول 'چٹنی میوزک' بھی بندھوا مزدوری کے تجربے کے بعد کا ایک دوسرا معاصر تخلیقی اظہار تھا۔ ثقافتی اتصال کی یہ شکلیں اس عالمی دنیا کی تشکیل کا حصہ ہیں جہاں مختلف مقامات کی اشیا باہم آمیز ہوتی ہیں، اپنی اساسی خصوصیات کو ترک کرتی ہیں اور ایک بالکل نئی چیز ہو جاتی ہیں۔

اکثر بندھوا مزدور اپنے معاہدوں کے ختم ہونے کے بعد بھی ٹھہر جاتے تھے یا ہندوستان میں کچھ دن گزارنے کے بعد اپنے نئے گھروں کو پھر واپس آ جاتے تھے۔ اسی وجہ سے ان ملکوں میں

ہندوستانی نژاد افراد کی متعدد کمیونٹیز موجود ہیں۔ کیا آپ نے نوبل انعام یافتہ ادیب وی ایس نائپال کا نام سنا ہے؟ آپ میں سے بعض لوگ ویسٹ انڈیز کے کرکٹ کے کھلاڑی شیو نارائن چندر پال اور رام نریش سراون کے کارناموں سے واقف ہوں گے۔ اگر آپ کو ان ناموں میں ہندوستانیت کی ایک مبہم سی جھنکار سنائی دیتی ہے تو اس کی وجہ یہی ہے کہ یہ لوگ ہندوستان سے وہاں جانے والے تارکین وطن بندھوا مزدوروں کے اخلاف ہی میں سے ہیں۔

1900 کے بعد سے ہندوستان کے نیشنلسٹ لیڈروں نے بندھوا مزدور ترک وطن کے نظام کو توہین آمیز اور ظالمانہ نظام کہہ کر اس کی مخالفت کی۔ 1921 میں اسے ختم کر دیا گیا۔ مگر پھر بھی بعد کی کئی دہائیوں تک ہندوستانی بندھوا مزدوروں کے اخلاف جنھیں 'قلی' کہا جاتا تھا' کیریبیّن جزائر میں ایک بے آرام اقلیت رہے۔ نائی پال کے بعض ابتدائی ناولوں میں بیگانگی اور زیاں کے احساس کی عکاسی ملتی ہے۔

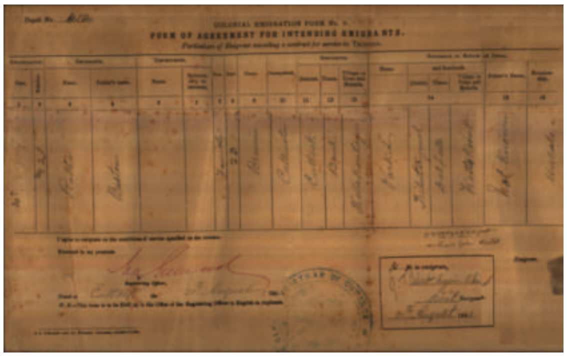

شکل 16۔ بندھوا مزدور کا ایک کانٹریکٹ فارم

2.5 ہندوستانی مہم جو کاروباری بیرونی ملکوں میں

عالمی منڈی کے لیے غذا اور دوسری فصلیں پیدا کرنے کے لیے سرمائے کی ضرورت تھی۔ بڑے بڑے Plantations تو بینکوں اور منڈیوں سے ادھار لے سکتے تھے۔ مگر معمولی کسان؟ ہندوستانی بینکرس سامنے آتے ہیں۔ کیا آپ شکاری پوری شرافوں اور نٹو کوٹائی چٹیاروں کو جانتے ہیں؟ یہ لوگ بینکرس اور تاجروں کے ان بہت سے گروہوں میں تھے جنھوں نے مرکزی اور جنوب مشرقی ایشیا میں زرعی برآمدات کے لیے سرمایہ فراہم کیا۔ انھوں نے اس کام میں یا تو خود اپنے روپے لگائے یا پھر یوروپین بینکوں سے قرضے لیے۔ دور دراز مقامات تک روپیہ منتقل کرنے کے لیے کے ان کے پاس نہایت نفیس نظام تھا۔ انھوں نے شراکتی (Corporate) تنظیموں کے دیسی طریقے تک نکال لیے تھے۔

ہندوستانی تاجر اور روپیہ ادھار دینے والے بھی یورپی نو آبادکاروں کے پیچھے پیچھے افریقہ پہنچے حیدرآبادی سندھی تاجروں نے بہرحال یورپی کالونیوں سے آگے تک کی ہمت کی۔ دنیا بھر میں معروف بندرگاہوں پر بڑی بڑی پھلتی پھولتی دکانیں کھولیں۔ جن میں مقامی اور درآمد کیے ہوئے نوادارات اُن سیاحوں کے ہاتھ بیچے جاتے جن کی تعداد بھی محفوظ اور آرام دہ مسافر کشتیوں کی وجہ سے روز بروز بڑھتی جا رہی تھی۔

ماخذ A

ایک بندھوا مزدور کا بیان

ایک بندھوا مزدور رام نرائن تیواری کے بیان کا اقتباس، جس نے اوائل بیسویں صدی میں Demerara پر دس برس گزارے۔

'......اپنی بے انتہا کوششوں کے باوجود میں ان کاموں کو ٹھیک سے نہیں کر سکا جو میرے سپرد کیے گئے تھے......چند ہی دنوں میں میرے ہاتھ اوپر سے نیچے تک چھل گئے اور میں ایک ہفتے تک کام پر بھی نہیں جا سکا۔ اس کوتاہی پر مجھے سزا ملی اور مجھے چودہ دن کے لیے جیل بھیج دیا گیا۔ نئے تارکین وطن بھی ملے ہوئے کاموں کو انتہائی سخت پاتے تھے اور انھیں ایک دن میں پورا نہیں کر سکتے تھے۔ کام اگر قابل اطمینان نہیں سمجھا جاتا تھا تو اجرتوں میں کٹوتی کی جاتی تھی۔ اسی لیے بہت سے لوگ اپنی پوری اجرت کبھی کما نہیں پائے۔ اور انھیں مختلف طریقوں سے اور بھی سزائیں ملتیں۔ حقیقت تو یہ ہے کہ مزدوروں کو معاہدے کا اپنا زمانہ مزید تکلیفوں میں گزارنا ہوتا تھا......'

(ماخذ: ڈیپارٹمنٹ آف کامرس اینڈ انڈسٹری—ایمی گریشن برانچ 1916)

2.6 ہندوستانی تجارت، نو آبادیات اور گلوبل نظام

تاریخ کہتی ہے کہ ہندوستان میں پیدا کی جانے والی اعلیٰ درجے کی کپاس یورپ برآمد کی جاتی تھی۔ انڈسٹریلائزیشن کے ساتھ ہی برطانوی کپاس کی پیداوار میں وسعت شروع ہوئی اور صنعت کاروں نے کپاس کی درآمدات کو محدود کرنے اور مقامی صنعت کو تحفظ فراہم کرنے کے لیے حکومت پر زور ڈالا۔ برطانیہ میں درآمد کیے جانے والے کپڑے پر محصول لگائے گئے نتیجتاً بہترین ہندوستانی کپاس کی آمد میں انحطاط آنا شروع ہو گیا۔

19 ویں صدی کے اوائل سے برطانوی کارخانہ داروں نے بھی اپنے کپڑے کے لیے سمندر پار منڈیوں کی تلاش شروع کر دی۔ برطانوی منڈیوں سے خارج ہندوستانی کپڑے کو دوسری بین الاقوامی

© NCERT not to be republished

شکل 17۔ایسٹ انڈیا کمپنی ہاؤس، لندن—یہ ایسٹ انڈیا کمپنی کی عالمی سرگرمیوں کا مرکز تھا۔

منڈیوں سے زبردست مقابلہ کرنا پڑا۔ اگر ہم ہندوستان سے ہونے والی برآمدات کے اعداد و شمار پر نظر ڈالیں تو ہم سوتی کپڑے میں ہندوستانی حصے میں مسلسل کمی دیکھیں گے۔ برآمدات جو 1800 میں 30 فیصدی تھیں وہ 1815 میں گھٹ کر محض 15 فیصدی رہ گئیں۔ اور 1870 تک یہ تناسب گر کر تین فیصدی سے بھی کم رہ گیا۔

پھر ہندوستان نے کیا برآمد کیا؟ اعداد و شمار ایک بار پھر بڑی حیرت ناک کہانی کہتے ہیں۔ مصنوعات کی برامد میں اگر تیز رفتار زوال آیا تو خام مال کی برآمد میں اسی تیز رفتاری سے اضافہ ہوا۔ 1812 اور 1871 کے درمیان خام کپاس کی برآمد 5 فیصدی سے بڑھ کر 35 فیصدی ہوگئی۔ کپڑے کو رنگنے

شکل 18۔سورت اور اس کے دریا کا ایک منظر (دور سے)
پوری سترہویں صدی اور اوائل اٹھارہویں صدی میں، سورت مغربی بحر ہند میں سمندر پار تجارت کا خاص مرکز رہا۔

میں کام آنے والا نیل اگلی کئی دہائیوں میں دوسری اہم برآمدی شئے تھی۔ اور جیسا کہ آپ نے پچھلے برس پڑھا ہے کہ انیسویں صدی کی دوسری دہائی میں چین کو ہونے والی افیون کی سپلائی میں بڑی تیزی سے اضافہ ہوا تھا اور وہ کچھ عرصے کے لیے ہندوستان کی واحد سب سے بڑی برآمد بن گئی تھی۔ برطانیہ نے ہندوستان میں افیون کی پیداوار چین کو برآمد کی اور اس فروخت سے ہونے والی رقم سے اس نے چین سے چائے اور دوسری درآمدات کے لیے سرمایہ فراہم کیا۔

19 ویں صدی میں ہندوستان کے بازاروں میں برطانوی مصنوعات کی بھرمار ہوگئی ہندوستان سے برطانیہ اور باقی دنیا میں اجناس اور خام مال کی برآمدات بڑھ گئیں۔ مگر برطانیہ سے ہندوستان آنے والے سامان کی قیمت ہندوستان سے برطانیہ جانے والے سامان کی قیمت سے کہیں زیادہ تھی۔ اس طرح برطانیہ کو ہندوستان سے ایک ٹریڈ سرپلس حاصل تھا۔ برطانیہ نے اس سرپلس سے دوسرے ملکوں سے ہونے والی اپنی تجارت کے خسارے میں توازن پیدا کیا۔ دوسرے ملکوں سے مراد وہ ممالک ہیں جن سے برطانیہ درآمدات زیادہ کر رہا تھا اور اپنا مال ان کے ہاتھ فروخت کم کر رہا تھا۔ ہمہ فریق معاہدوں کا نظام اسی طرح کام کرتا ہے۔ یہ ایک ملک کو دوسرے ملک کے ہاتھوں ہونے والے خسارے کی بھرپائی کسی تیسرے ملک کے ساتھ اپنے کاروبار میں ملنے والے سرپلس سے کرنے کی اجازت دیتا ہے اپنے خسارے کو متوازن بنانے میں برطانیہ کی مدد کر کے، ہندوستان نے آخر انیسویں صدی کی عالمی اقتصادیات میں بڑا اہم کردار ادا کیا۔

ہندوستان میں برطانوی تجارتی سرپلس نے ان نام نہاد 'Home Charges' کی ادائیگی میں بھی مدد کی جن میں ارسال کردہ وہ نجی رقوم بھی شامل تھیں جو برطانوی حکام اور تاجر اپنے گھروں کو بھیجتے تھے اور ہندوستان کے بیرونی قرض کے سود کی ادائیگی اور ہندوستان میں برطانوی حکام کی پنشن بھی شامل تھی۔

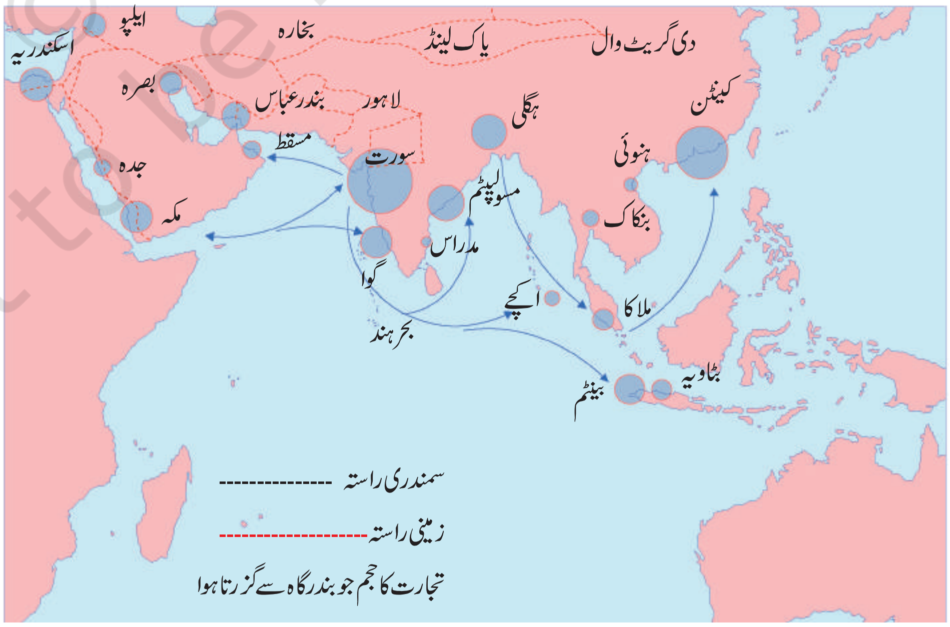

شکل 19۔ وہ تجارتی راستے جنھوں نے انیسویں صدی کے آخر میں ہندوستان کو دنیا سے جوڑا

© NCERT not to be republished

3 جنگوں کی درمیانی مدت میں اقتصادی حالت

پہلی جنگ عظیم (18-1914) عموماً یورپ میں لڑی گئی تھی مگر اس کے اثرات ساری دنیا میں محسوس کیے گئے۔ اس باب میں اپنی تشویشوں کے پس منظر میں ہم دیکھیں گے کہ اس جنگ نے بیسویں صدی کے نصف اول کو ایک ایسے بحران میں ڈال دیا کہ جس سے نکلنے میں تین دہائیوں سے زیادہ کا عرصہ لگ گیا۔ اس عرصے میں دنیا نے بڑے پیمانے پر اقتصادی اور سیاسی عدم استحکام دیکھا اور ایک اور تباہ کن جنگ دیکھی۔

3.1 زمانۂ جنگ کی تبدیلیاں

جیسا کہ آپ جانتے ہیں، پہلی عالمی جنگ طاقتوں کے دو فریقوں کے درمیان لڑی گئی تھی۔ ایک طرف اتحادی طاقتیں تھیں برطانیہ فرانس اور روس (بعد میں امریکہ بھی ساتھ ہو گیا) اور مقابل میں مرکزی قوتیں تھیں جن میں جرمنی، آسٹریا، ہنگری اور عثمانی ترکی شامل تھے۔ ابتدا میں جب جنگ شروع ہوئی تو لوگوں کا خیال تھا کہ یہ کرسمس تک ختم ہو جائے گی۔ مگر اس کے ختم ہونے میں چار سال لگ گئے۔

پہلی جنگ عظیم پچھلی تمام جنگوں سے مختلف تھی۔ اس لڑائی میں دنیا کے ممتاز صنعتی ملک شامل تھے جنھوں نے جدید صنعت کی زبردست قوت جمع کر لی تھی تاکہ اپنے دشمنوں کو زیادہ سے زیادہ تباہ و برباد کر سکیں۔ اس لحاظ سے یہ جنگ اولین جدید صنعتی جنگ تھی۔ اس جنگ نے مشین گنوں، ٹینکوں، ہوائی جہازوں، کیمیاوی ہتھیاروں وغیرہ کا بڑے پیمانے پر استعمال دیکھا۔ یہ ساری چیزیں، بڑے پیمانے کی جدید صنعت کی پیداوار تھیں۔ جنگ لڑنے کے لیے دنیا بھر سے لاکھوں سپاہی بھرتی کرنے تھے اور ان سپاہیوں کو بڑے بڑے جہازوں اور ریلوں کے ذریعے محاذ جنگ پر پہنچانا تھا۔ صنعتی عہد سے پہلے اور صنعتی ہتھیاروں کے استعمال کے بغیر اتنی بڑی تباہی کا۔ نوے لاکھ اموات اور دو کروڑ زخمی۔ تصور بھی نہیں کیا جا سکتا تھا۔

مرنے اور معذور ہونے والوں میں بڑی تعداد کام کی عمر والے افراد کی تھی۔ ان اموات اور ان جراحتوں نے یورپ میں، کام کر سکنے والے تندرست لوگوں کی تعداد کو بہت کم کر دیا۔ خاندانوں میں لوگوں کی تعداد کم ہو جانے کی وجہ سے، خاندانوں کی آمدنیوں میں بھی جنگ کے بعد کمی ہوئی۔

جنگ کے دوران، جنگ سے متعلق سامان بنانے کے لیے صنعتوں کی تشکیل تو کی ہی گئی جنگ کے لیے سارے کے سارے سماجوں کو بھی از سر نو منظم کیا گیا۔ مرد جنگ پر گئے اور عورتوں کو ان کاموں کو اپنے ہاتھ میں لینا پڑا جو پہلے صرف مردوں کے سمجھے جاتے تھے۔

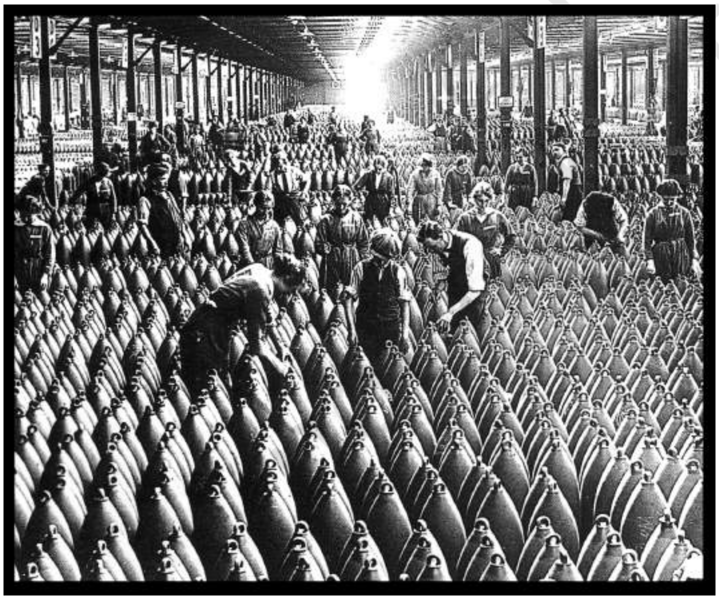

شکل 20۔ پہلی جنگ عظیم کے دوران ایک اسلحہ فیکٹری جنگ کی ضرورتوں کو پورا کرنے کے لیے ہتھیاروں کی پیداوار تیزی سے بڑھی۔

جنگ نے دنیا کی بعض ان بڑی اقتصادی قوتوں کے باہمی معاشی رشتوں کی شکست وریخت کر دی جو ایک دوسرے سے نبرد آزما تھے۔ برطانیہ نے امریکی بینکوں اور ساتھ ہی امریکی عوام سے بڑے بڑے قرضے لیے۔ لٰہذا جنگ نے امریکہ کو جو ایک بین الاقوامی قرض دار تھا ایک بین الاقوامی قرض خواہ بنا دیا۔ دوسرے الفاظ میں، جنگ کے خاتمے پر امریکہ اور امریکہ کے شہریوں کے پاس، امریکہ میں بیرونی حکومتوں اور بیرونی شہریوں کے مقابلے میں، سمندر پار اثاثہ کہیں زیادہ تھا۔

3.2 بعد از جنگ صحت یابی

بعد از جنگ سنبھالا دشوار ثابت ہوا۔ برطانیہ نے جو جنگ سے پہلے کے زمانے میں دنیا کی ایک ممتاز معیشت کا درجہ رکھتا تھا، خاص طور پر ایک طویل بحران کا سامنا کیا۔ جب برطانیہ جنگ میں الجھا ہوا تھا، ہندوستان اور جاپان میں صنعتوں نے بڑی ترقیاں کیں۔ جنگ کے بعد، ہندوستانی بازار میں اپنی حاوی حیثیت کو دوبارہ حاصل کرنا اور بین الاقوامی سطح پر جاپان سے مقابلہ کرنا برطانیہ کے لیے بہت دشوار ہو گیا۔ مزید یہ کہ جنگ کے اخراجات پورے کرنے کے لیے برطانیہ نے امریکہ سے بڑی کشادہ دلی سے قرضے لیے تھے۔ اس کا مطلب تھا کہ جنگ کے ختم ہونے کے بعد برطانیہ بڑے بیرونی قرضوں کے بوجھ تلے دبا ہوا تھا۔

جنگ اقتصادی فراوانی لائی تھی، مانگیں بڑھی تھیں، پیداوار میں اضافہ ہوا تھا اور روزگار کے مواقع بھی زیادہ ہوئے تھے۔ جنگ کی لائی ہوئی یہ خوشحالی ختم ہوئی تو پیداوار میں کمی آئی اور بے روزگاری بڑھ گئی۔ اسی کے ساتھ حکومت نے زمانہ امن کے لگان سے ہم آہنگی کے لیے بڑھے ہوئے جنگی اخراجات کو کم کیا۔ ان اقدامات نے معاش کے ذرائع کو بڑا دھکا پہنچایا۔ 1921 میں ہر پانچواں برطانوی کامگار، بے روزگار تھا۔ سچ ہے کہ کام کے متعلق تشویش اور بے یقینی جنگ کے بعد کے منظرنامے کا ایک صبر آزما حصہ ہوگئی۔

بہت سی زراعتی اقتصادیات بھی بحران کا شکار تھیں۔ گیہوں پیدا کرنے والوں کی حالت پر غور کیجیے۔ جنگ سے پہلے مشرقی یورپ، عالمی بازار میں گیہوں بھیجنے والا ایک اہم سپلائر تھا۔ جنگ کے زمانے میں جب اس سپلائی میں خلل پڑا تو کناڈا، امریکا اور آسٹریلیا میں گیہوں کی پیداوار میں بڑا حیرت انگیز اضافہ ہوا۔ جب ایک بار جنگ ختم ہوگئی تو مشرقی یورپ میں پیداوار از سرنو روبہ صحت ہوئی اس میں اضافہ ہوا اور پیداوار میں فراوانی ہوئی۔ اجناس کی قیمتوں میں گراوٹ آئی دیہی آمدنیاں کم ہوئیں اور کسان قرضوں کے بوجھ تلے اور دب گئے۔

3.3 بڑے پیمانے پر پیداوار اور استعمال میں اضافہ

امریکہ میں بحالی کی رفتار نسبتاً تیز تھی۔ ہم یہ دیکھ ہی چکے ہیں کہ جنگ نے امریکی اقتصادیات میں بہتری لانے میں کس طرح مدد کی۔ جنگ کے بعد کے برسوں میں اقتصادی مشکلات کے ایک

© NCERT not to be republished

مختصر دور کے بعد بیسوی صدی کے اوائل میں امریکی اقتصادیات نے اپنی زوردار ترقی کا سلسلہ پھر شروع کیا۔

بیسویں صدی کے امریکی اقتصادیات کا ایک اہم عنصر بڑے پیانے پر پیداوار کا پہلو تھا۔ بڑے پیانے پر پیداوار کا سفر انیسویں صدی کے آخر میں شروع ہوا تھا مگر بیسویں صدی میں یہ امریکہ میں صنعتی پیداوار کا خصوصی پہلو بن گیا۔ بڑے پیانے پر پیدا کرنے والے پہلے لوگوں میں کاریں بنانے والے معروف ہنری فورڈ تھے۔ انھوں نے Detroit میں اپنے نئے کار پلانٹ کے لیے شگاگو کے ایک مذبح خانے (جہاں رواں پٹی (Conveyor belt) سے آنے والے جانوروں کو قصائی ٹکڑوں میں کاٹتے تھے) کی اسمبلی لائن کو اپنے کام کے مطابق بنایا۔ انھوں نے اندازہ لگالیا کہ اسمبلی لائن کا طریقہ گاڑیاں بنانے کا ایک زیادہ تیز رفتار اور سستا طریقہ فراہم کردے گا۔ اسمبلی لائن نے مزدوروں کو ایک ہی کام کو میکانکی ڈھنگ اور تسلسل کے ساتھ دہرانے پر مجبور کردیا۔ مثلاً کار کے کسی ایک مخصوص حصے کو لگانا اور اس رفتار سے لگانا جس کا تعین رواں پٹی کرتی تھی۔ فی مزدور کارکردگی میں اضافہ کرکے پیداوار کو بڑھانے کا یہ ایک طریقہ تھا۔ رواں پٹی کے سامنے کھڑے ہوکر کوئی مزدور کام کی رفتار کو کم نہیں کرسکتا تھا، کام چھوڑ نہیں سکتا تھا۔ یہاں تک کہ ساتھی مزدور سے تھوڑی بہت بات تک نہیں کرسکتا تھا۔ اسی کا نتیجہ تھا کہ ہنری فورڈ کی کار تین منٹ کے وقفے کے بعد اسمبلی لائن سے نکل آتی تھیں۔ یہ رفتار پرانے طریقوں سے حاصل کی جانے والی رفتار سے کہیں زیادہ تیز تھی۔ فورڈ کی T-Model بڑے پیانے پر بنائی جانے والی دنیا کی پہلی کار تھی۔

شکل 21- T ماڈل کاریں فیکٹری کے باہر قطار میں کھڑی ہیں۔

ابتدا میں، فورڈ فیکٹری کے مزدوران اسمبلی لائنوں پر کام کرنے کے دباؤ کو جھیلنے میں ناکام رہے جن میں وہ کام کی رفتار پر اپنا قابو نہیں رکھ سکتے تھے، چنانچہ بڑی تعداد میں مزدوروں نے نوکری چھوڑ دی۔ پریشان ہوکر فورڈ نے جنوری 1914 میں تنخواہیں دوگنی کرکے 5 ڈالر کردیں۔ اسی کے ساتھ اپنے کارخانوں میں ٹریڈ یونینوں کو بھی کام کرنے سے منع کردیا۔

ہنری فورڈ نے بڑھائی ہوئی تنخواہ کے اخراجات کو پورا کیا پروڈکشن لائن کی رفتار کو بار بار تیز کرکے اور مزدوروں کو پہلے سے زیادہ تیز رفتاری سے کام کرنے پر مجبور کرکے۔ جلدی ہی انھوں نے روزانہ اجرتوں کو دوگنا کرنے کے اپنے فیصلے کو ''لاگت کم کرنے کا بہترین فیصلہ'' کہا اور ایک ایسا فیصلہ جیسا انھوں نے پہلے کبھی نہیں لیا تھا۔

فورڈ کے صنعتی طریقے جلدی ہی امریکہ میں پھیل گئے۔ بیسویں صدی کی دوسری دہائی میں ان کی نقل یورپ میں بھی ہوئی۔ بڑے پیانے پر پیداوار کے ان طریقوں نے لاگت اور ان اشیا کی

© NCERT not to be republished

قیمت کو کم کر دیا۔ اونچی اجرتوں کا پھل تھا کہ مزدوروں کی بڑی تعداد میں کار جیسی پائیدار چیزیں رکھنے کی استطاعت پیدا ہوگئی۔ امریکہ میں کار کا جو پروڈکشن 1919 میں بیس لاکھ تھا وہ 1929 میں بڑھ کر پچاس لاکھ ہوگیا۔ اسی طرح ریفریجریٹر، واشنگ مشینوں، ریڈیو اور گراموفون کی خریداری میں زبردست اضافہ ہوا اور یہ سب کرائے پر خرید (hire-purchase) (ہفتہ وار اور ماہانہ قسطوں) کے طریقے پر عمل کر کے ہوا۔ ریفریجریٹر اور واشنگ مشینوں کی مانگ میں گھروں کی تعمیر اور گھروں کے مالک بننے کے شوق نے بھی مہمیز لگائی۔ ان کاموں کے لیے بھی سرمایہ ایک بار پھر قرضوں نے فراہم کیا۔

1920 میں گھروں کی تعمیر اور استعمالی اشیا کی اس گرم بازاری نے امریکہ میں خوشحالی کی ایک بنیاد ڈال دی۔ گھروں کی تعمیر اور گھریلو اشیا میں سرمایہ کاری نے ایسا لگتا ہے کہ نوکریوں کے زیادہ مواقع اور زیادہ آمدنی استعمالی اشیا کی زیادہ مانگ، مزید سرمایہ کاری، مزید روزگار اور زیادہ آمدنیوں کا ایک چکر چلا دیا۔

1923 میں امریکہ نے باقی دنیا میں سرمائے کی برآمد پھر شروع کی اور سمندر پار کا سب سے بڑا قرض دینے والا ملک بن گیا۔ امریکہ کی درآمدات اور سرمائے کی برآمدات نے اگلے چھے سال کے عرصے میں عالمی تجارت آمدنی میں اضافے اور یورپ کے روبہ صحت ہونے کے عمل کو بڑی توانائی بخشی۔

یہ سب بہرحال پائیدار ہونے کے لیے کچھ زیادہ ہی اچھا تھا۔ چنانچہ 1929 میں دنیا ایک ایسی کساد بازاری کا شکار ہوگئی جس کا تجربہ اس سے پہلے کبھی نہیں ہوا تھا۔

3.4 عظیم کساد بازاری

عظیم کساد بازاری 1929 کے قریب شروع ہوئی تھی اور 1930 کے وسط تک چلی۔ اس سارے عرصے میں دنیا کے اکثر حصوں میں پیداوار، روزگار، آمدنی اور تجارت میں تباہ کن زوال آیا۔ کساد بازاری کا وقت اور اس کا اثر الگ الگ ملکوں میں الگ الگ رہا۔ مگر عام طور پر زراعتی علاقے اور زراعتی سماج سب سے زیادہ متاثر ہوئے۔ اس کا سبب یہ تھا کہ زرعی قیمتوں میں گراوٹ بھی زیادہ تھی اور صنعتی اشیا کے مقابلے میں زیادہ طویل مدت تھی۔

یہ کساد بازاری متعدد عوامل کے اجتماعی اثر کا نتیجہ تھی۔ اس سے پہلے ہم نے دیکھا ہے کہ بعد از جنگ عالمی معیشت کتنی ناتواں اور کمزور تھی۔ اولاً فاضل زراعتی پیداوار ایک مسئلہ رہی، اور زرعی قیمتوں کی گراوٹ نے اسے بد سے بدتر بنا دیا۔ قیمتیں گریں، اور زرعی آمدنیاں کم ہوئیں، کسانوں نے اپنی مجموعی آمدنی سے زیادہ پیداوار کو منڈی میں لانے کی کوشش کی۔ بازار میں افراط وتفریط کی حالت مزید ابتر ہوگئی، اس صورت حال نے قیمتوں کو اور نیچے دھکیلا۔ خریداروں کی کمی کی وجہ سے زرعی اشیا گل سڑ گئیں۔

باکس 3

شکل 22. 1936 — کی عظیم کساد بازاری کے دوران تارک وطن زراعتی مزدور کا خاندان بے گھر اور بھوکا۔ (لائبریری آف کانگریس، پرنٹس اور فوٹو گرافس ڈیویژن) کے شکریے کے ساتھ۔

اس تصویر کی کھینچنے والی فوٹو گرافر ڈراتھی لینگ نے کئی برس بعد وہ لمحات یاد کیے جب بھوکی ماں سے اس کی ملاقات ہوئی تھی۔

''بھوکی اور مایوس ماں کو میں نے دیکھا اور اس کے پاس اس طرح گئی جیسے لوہے کا کوئی ذرہ مقناطیس کی طرف کھنچتا ہے...... میں نے نہ اس کا نام پوچھا نہ اس کی کہانی سنی۔ اس نے مجھے اپنی عمر بتائی کہ وہ 32 سال کی ہے۔ اس نے کہا کہ وہ (اور اس کے سات بچے) آس پاس کے کھیتوں سے حاصل کی ہوئی ٹھنڈی ترکاریوں پر اور ان چڑیوں پر گزارہ کر رہے ہیں جنھیں بچے مار لاتے تھے...... وہاں وہ بیٹھی ہوئی تھی ...... بچے اس کے آس پاس گھسے بیٹھے تھے۔ ایسا لگتا تھا کہ اسے معلوم ہے کہ میری تصویریں اس کی کچھ مدد کر سکتی ہیں...... اور اسی لیے اس نے میری مدد کی...... (پاپولر فوٹوگرافی، فروری 1960)

© NCERT not to be republished

دوم: 1920 کے وسط میں بہت سے ملکوں نے اپنی سرمایہ کاری کے لیے سرمایہ امریکہ سے لیے ہوئے قرضوں سے فراہم کیا۔ حالات جب اچھے تھے امریکہ سے قرض لینا عموماً انتہائی آسان تھا۔ دشواریوں کی اولین علامتوں پر ہی امریکہ کے سمندر پار قرض دینے والے سراسیمہ ہوگئے۔ 1928 کے نصف اول میں سمندر پار امریکی قرضے ایک بلین ڈالر سے زیادہ کے تھے۔ ایک برس بعد یہ ایک چوتھائی بلین رہ گئے۔ وہ ممالک جو امریکی قرضوں پر بے پناہ انحصار کرتے تھے شدید بحران کا شکار ہوگئے۔

امریکی قرض دینے والوں کی دست کشی نے باقی دنیا پر اثر ڈالا مگر الگ الگ طریقوں پر۔ یورپ میں اس کا اثر بعض بڑے بینکوں کی ناکامی اور برٹش پاؤنڈ اسٹرلنگ جیسی کرنسیوں کے انہدام کی شکل میں نظر آیا۔ لاطینی امریکہ اور دوسری جگہوں پر اس نے زرعی اشیا اور خام مال کی قیمتوں میں گراوٹ کی رفتار کو تیز کر دیا۔ درآمدات پر ڈیوٹی کو دوگنا کرکے، کساد بازاری کے زمانے میں اپنی معیشت کا تحفظ کرنے کی امریکی کوشش نے عالمی تجارت کو ایک اور شدید دھکا پہنچایا۔

امریکہ کساد بازاری سے بڑی شدت سے متاثر ہونے والا صنعتی ملک بھی تھا۔ قیمتوں میں گراوٹ اور کساد بازاری کے امکانی عواقب کے پیش نظر امریکن بینکوں نے گھریلو قرضے دینے میں بھی کمی کی اور دیے ہوئے قرضوں کو واپس لینا بھی شروع کیا۔ فارمس اپنی فصلوں کو بیچ نہیں سکے، گھر بار تباہ ہوگئے اور کاروبار بیٹھ گیا۔ کم ہوتی ہوئی آمدنیوں کی دشواریوں سے پریشان بہت سے امریکی گھرانے اپنے قرضوں کو بھی ادا نہ کر سکے، نتیجتاً اپنے گھروں، اپنی کاروں اور دوسرے پائیدار استعمالی سامان کو چھوڑنے پر مجبور ہوگئے۔ خریداروں کی 1920 والی خوشحالی ہوا کے ایک جھونکے کی طرح دیکھتے دیکھتے غائب ہوگئی۔ بے روزگاری کے بڑھنے کی وجہ سے لوگوں نے کام کی توقع میں دور دراز کی مسافتیں طے کیں۔ آخر میں خود امریکہ کا بینکنگ نظام مسمار ہوگیا۔ لگائے ہوئے سرمائے کو واپس نہ لے سکنے، قرضوں کو وصول نہ کر سکنے اور روپیہ جمع کرانے والوں کو ادائیگی نہ کر سکنے کی وجہ سے ہزاروں بینک دیوالیے ہوگئے اور اپنا کاروبار بند کرنے پر مجبور ہوگئے۔ تعداد غیر معمولی ہے۔ 1933 تک چار ہزار سے زیادہ بینک بند ہو چکے تھے۔ 1929 اور 1932 کے درمیان ایک لاکھ دس ہزار کمپنیاں ختم ہو چکی تھیں۔

1935 ہوتے ہوتے اکثر صنعتی ملکوں میں ایک معقول اقتصادی بحالی کا آغاز ہوا۔ مگر سماج، سیاست، بین الاقوامی تعلقات اور لوگوں پر پڑنے والے کساد بازاری کے وسیع اثرات زیادہ دیرپا اور زیادہ صبر آزما ثابت ہوئے۔

شکل 23 بے روزگاری بھتے کے لیے لوگ قطاریں لگاتے ہوئے۔
تصویر ذروتھی لینگ 1938۔ شکریہ، لائبریری آف کانگریس
بے روزگاری مردم شماری نے جب بے روزگار لوگوں کی تعداد دس ملین دکھائی تو مقامی حکومت نے بے روزگاروں کو ایک چھوٹا سا الاؤنس دینا شروع کیا۔ ایسی قطاریں کساد بازاری کے زمانے کی بے روزگاری اور مفلسی کی علامت بن گئیں۔

3.5 ہندوستان اور عظیم کساد بازاری

اگر ہم کساد بازاری کے ہندوستان پر پڑنے والے اثرات پر نظر ڈالتے ہیں تو ہمیں اندازہ ہوتا ہے کہ بیسویں صدی کے اوائل تک عالمگیر (گلوبل) اقتصادیات کتنی یک جان و یک جسم (Integrated) ہو چکی تھی۔ دنیا کے ایک حصے میں آنے والے کسی بحران کے جھٹکے چشم زدن میں، دنیا کے دوسرے حصوں میں محسوس ہونے لگتے تھے اور ان کے اثرات دنیا بھر میں لوگوں کی

زندگیوں کی اقتصادیات اورسماجوں پر پڑنے لگتے تھے۔

انیسویں صدی میں جیسا کہ آپ نے دیکھا ہے کہ نوآبادیاتی ہندوستان زرعی اشیا کا برآمد کرنے والا اور مصنوعات کا درآمد کرنے والا ملک بن گیا تھا۔ کساد بازاری نے ہندوستانی تجارت پر فوراً اثر ڈالا اور 1928 سے 1934 کے درمیان اس کی درآمدات تقریباً نصف ہوگئیں۔ جب بین الاقوامی قیمتیں گریں تو ہندوستان میں بھی قیمتوں کا رخ نیچے کی طرف ہوگیا۔ 1928 سے 1934 کے درمیان ہندوستان میں گیہوں کی قیمتوں میں پچاس فی صدی کی کمی ہوگئی تھی۔

شہر کے لوگوں کے مقابلے میں کسانوں اور کاشتکاروں کو زیادہ پریشانیاں ہوئیں۔ زرعی قیمتیں اگرچہ بہت گریں مگر نوآبادیاتی حکومت نے لگان کے مطالبات میں تخفیف سے انکار کردیا۔ اس کا دھکا ان کاشتکاروں کو سب سے زیادہ لگا جو عالمی منڈیوں کے لیے اناج پیدا کر رہے تھے۔

بنگال کی جوٹ کی پیداوار پر غور کیجیے۔ یہ لوگ خام جوٹ پیدا کرتے تھے۔ جسے برآمد کرنے کے لیے ٹاٹ کی بوریوں کی شکل کارخانوں میں دی جاتی تھی۔ مگر چوں کہ بوریوں کی برآمد کم ہوئی، خام جوٹ کی قیمتوں میں ساٹھ فی صدی سے بھی زیادہ کی گراوٹ آئی۔ جن کسانوں نے بہتر وقتوں کی امید میں یا پھر زیادہ آمدنیوں کی توقع میں اپنی پیداوار کو بڑھانے کے لیے قرضے لیے تھے۔ انھیں انتہائی کم قیمتوں کا سامنا کرنا پڑا اور یہ لوگ قرض کے بوجھ کے نیچے دبتے ہی چلے گئے۔ بنگال کے جوٹ پیدا کرنے والوں کا نوحہ تھا:

> بھائیو زیادہ جوٹ پیدا کرو، زیادہ نقدی کی توقع میں لاگت اور قرضے تمہاری امیدوں کو چکنا چور کردیں گے جب تم اپنا سارا دھن خرچ کرچکے ہوگے اور فصل کاٹ لی ہوگی۔
> اپنے محلوں میں بیٹھے ہوئے تاجر تمھیں ایک من کے صرف پانچ روپیے دیں گے۔

ہندوستان بھر میں کسانوں پر قرض کے بوجھ بڑھ گئے۔ انھوں نے اپنے اخراجات پورے کرنے کے لیے اپنی ساری بچت استعمال کرلی، زمینیں رہن رکھ دیں، تھوڑے بہت جو زیورات اور قیمتی چیزیں تھیں بیچ دیں۔ کساد بازاری کے ان دنوں میں ہندوستان قیمتی دھاتوں، خصوصاً سونا برآمد کرنے والا ہوگیا۔ مشہور ماہر اقتصادیات John Maynard Keynes کا خیال تھا کہ ہندوستان کی سونے کی برآمدات نے عالمی اقتصادی بحالی پیدا کی۔ انھوں نے برطانیہ کی بحالی کی رفتار کو تیز کرنے میں یقیناً مدد کی مگر خود ہندوستان کے کسان کے لیے کچھ نہیں کیا۔ 1931 میں کساد بازاری کے عروج کے زمانے میں جب مہاتما گاندھی نے سِول نافرمانی کی تحریک شروع کی اس وقت دیہی ہندوستان بے چینی کے کرب میں تڑپ رہا تھا۔

کساد بازاری شہری ہندوستان کے لیے نسبتاً کم شدید ثابت ہوئی۔ گرتی ہوئی قیمتوں کی وجہ سے مقررہ آمدنیوں والے لوگ، بلکہ یوں کہیے کہ شہروں میں رہنے والے ان زمین داروں نے جن کو کرائے ملتے تھے اور متوسط طبقے کے تنخواہ دار ملازموں نے اپنے آپ کو کسی قدر بہتر حالات میں پایا۔ ہر چیز کی قیمت کم۔ نیشنلسٹ رائے کے دباؤ میں صنعتوں کو حکومت کے دیے ہوئے محصول کے تحفظ کی وجہ سے انڈسٹریل سرمایہ کاری میں بھی اضافہ ہوا۔

تبالۂ خیال کیجیے

جوٹ اگانے والوں کے نوحے کے مطابق جوٹ کی کھیتی سے کسے فائدہ ہوتا ہے؟

© NCERT not to be republished

4 ایک عالمی اقتصادیات کی تعمیر نو: بعد از جنگ عہد

شکل.24 — جرمن فوجیں روس پر حملہ کرتی ہیں جولائی 1941۔ روس میں ہٹلر کے داخلے کی کوشش جنگ میں ایک کانٹے کا موڑ تھی۔

دوسری عالمی جنگ، پہلی جنگ عظیم سے محض دو دہائی بعد شروع ہوگئی۔ یہ جنگ نازی جرمنی، جاپان، اٹلی (Axis Powers) اور برطانیہ، فرانس، سوویت یونین، امریکہ (Allies Powers) کے درمیان لڑی گئی تھی۔ یہ ایک جنگ تھی جو چھ سال تک چلی بہت سی جگہوں پر، بہت سے محاذوں پر لڑی گئی، زمین پر، سمندروں پر اور ہوا میں۔

ایک بار پھر جاں کا زیاں اور تباہی و بربادی بے حساب تھی۔ خیال ہے کہ کم از کم چھ کروڑ لوگ، 1939 کی عالمی آبادی کے تین فیصدی لوگ، براہ راست یا بالواسطہ مارے گئے اس کے علاوہ لاکھوں کروڑوں لوگ زخمی ہوئے۔

پچھلی جنگوں کے برعکس، ان اموات میں سے زیادہ اموات میدان جنگ سے باہر ہوئیں۔ جنگ سے متعلق دوسرے بہت سے اسباب کی بنا پر سپاہیوں سے زیادہ عام شہری مارے گئے۔ یورپ اور ایشیا کے وسیع وعریض علاقے اجڑ گئے، بہت سے شہر ہوائی بمباری اور توپوں کے گولوں کی مسلسل بارش سے تباہ و برباد ہوگئے۔ جنگ کی وجہ سے بے پناہ اقتصادی بربادی اور زبردست سماجی افراتفری ہوئی۔ تعمیر نو کا کام طویل بھی تھا اور دشوار بھی۔

شکل.25 — سویت روس میں، جنگ سے تباہ اسٹالن گراد

بڑے اہم اثرات نے جنگ کے بعد کی تعمیر نو کی صورت کا تعین کیا۔ پہلا تو مغربی دنیا میں امریکہ کا ایک غالب اقتصادی، سیاسی اور فوجی قوت کی طرح سامنے آنا تھا۔ دوسرا اثر سوویت یونین کی فوقیت۔ اس نے نازی جرمنی کو ہرانے کے لیے بڑی قربانیاں دی تھیں اور اپنے آپ کو ایک پسماندہ زرعی ملک کی جگہ ایک عالمی قوت میں بدل لیا تھا اور یہ سب اس نے اُن برسوں میں کیا تھا جب سرمایہ دار دنیا عظیم کساد بازاری کے جال میں پھنسی ہوئی تھی۔

4.1 بعد از جنگ سیٹلمنٹ اور بریٹین ووڈس ادارے

دو جنگوں کی درمیانی مدت کے معاشی تجربات سے ماہرین اقتصادیات اور سیاست دانوں نے دو بنیادی سبق لیے۔ پہلا سبق یہ کہ بڑے پیمانے کی پیداوار (Mass production) کی بنیاد پر ایک سماج کو بڑے پیمانے پر استعمال (Mass consumption) کے بغیر قائم نہیں رکھا جاسکتا۔ لیکن بڑے پیمانے پر استعمال کو یقینی بنانے کے لیے اونچی اور مستحکم آمدنیوں کی ضرورت تھی۔ آمدنیاں اس وقت تک مستحکم نہیں ہوسکتیں جب تک نوکریاں مستحکم نہیں ہوتی ہیں لہذا مستحکم

© NCERT not to be republished

اور مستقل آمدنیوں کے لیے استوار اور مکمل روزگار کی ضرورت ہے۔

مگر بازار تن تنہا مکمل روزگار کی ضمانت نہیں لے سکتے۔ اس لیے قیمتوں، پیداوار (output) اور روزگار میں آنے والے اتار چڑھاؤ کو کم کرنے کے لیے حکومتوں کو قدم رکھنا ہوگا۔ اقتصادی استحکام کو صرف حکومت کی دخل اندازی کے ذریعے یقینی بنایا جاسکتا ہے۔

دوسرے سبق کا تعلق ایک ملک کے باہری دنیا سے اقتصادی رشتوں سے ہے۔ مکمل روزگار کی منزل صرف اسی وقت پائی جاسکتی تھی جب اشیا سرمائے اور محنت (لیبر) کے بہاؤ پر کنٹرول حکومت کے ہاتھ میں ہو۔

اس لحاظ سے، جنگ کے بعد بین الاقوامی اقتصادی نظام کا اصل مقصد تھا صنعتی دنیا میں اقتصادی استحکام اور مکمل روزگار کو محفوظ رکھنا۔ اس کے دائرہ عمل کو منظوری جولائی 1944 میں بریٹن ووڈس، ہیمپشائر امریکہ میں ہونے والی یونائیٹڈ اسٹیٹس مانیٹری اینڈ فائنشیل کانفرنس میں ملی تھی۔

بریٹن ووڈس کانفرنس نے، اپنے اراکین کے بیرونی فاضلات (Surpluses) اور خساروں سے نپٹنے کے لیے انٹرنیشنل مانٹری فنڈ (IMF) قائم کیا۔ انٹرنیشنل بینک فار ری کانسٹرکشن اینڈ ڈیولپمنٹ (عام طور پر ورلڈ بینک کے نام سے جانا جاتا ہے) قائم کیا گیا۔ جس کا مقصد جنگ کے بعد کی تعمیر نو کے لیے سرمایہ فراہم کرنا تھا۔ آئی ایم ایف اور ورلڈ بینک، بریٹن ووڈس ادارے یا بریٹن ووڈس کے توام (Twin) بھی کہلاتے ہیں۔ بعد از جنگ بین الاقوامی اقتصادی نظام بھی اکثر بریٹن ووڈس سسٹم کے نام سے پکارا جاتا ہے۔

آئی ایم ایف اور ورلڈ بینک نے اپنا مالیاتی کاروبار 1947 میں شروع کیا۔ ان اداروں میں فیصلے لینے کے معاملے میں کنٹرول مغربی صنعتی طاقتوں کا ہوتا ہے۔ آئی ایم ایف اور ورلڈ بینک کے فیصلوں پر امریکہ ویٹو کا کارگر حق رکھتا ہے۔

بین الاقوامی مانیٹری سسٹم قومی کرنسیوں اور مانیٹری سسٹم کو باہم مربوط کرنے کا نظام ہے۔ بریٹن ووڈس نظام کی بنیاد تبادلۂ زر کے مقررہ نرخوں پر تھی۔ اس نظام میں قومی کرنسیوں مثلاً ہندوستانی روپیے کو تبادلے کے ایک مقررہ نرخ سے جوڑا جاتا تھا۔ خود ڈالر سونے کی 35 ڈالر فی آؤنس کی مقررہ قیمت سے وابستہ تھا۔

شکل 26 — بریٹن ووڈس، امریکہ میں ماؤنٹ واشنگٹن ہوٹل یہی جگہ ہے جہاں مشہور کانفرنس ہوئی تھی۔

تبادلۂ خیال کیجیے

Inter war اقتصادیات سے ہونے والے تجربات سے ماہرین معاشیات اور سیاست دانوں نے کون سے سبق سیکھے۔ مختصر بیان کیجیے۔

4.2 جنگ کے بعد کے ابتدائی برس

بریٹن ووڈس سسٹم نے مغربی صنعتی ملکوں اور جاپان کے لیے تجارت اور آمدنیوں کے فروغ و نشو و نما کے ایک بے مثال عہد کا آغاز کیا۔ 1950 سے 1970 کے درمیانی وقفے میں عالمی تجارت 8 فی صدی سالانہ کی شرح سے اور آمدنیاں تقریباً 5 فی صدی کے حساب سے بڑھیں۔ یہ نشو و نما عموماً مستحکم تھی اور بڑے اتار چڑھاؤ نہیں تھے۔ اس زمانے کے زیادہ حصے میں، بے روزگاری کی

© NCERT not to be republished

شرح، اکثر صنعتی ملکوں میں اوسطاً 5 فی صدی سے کم رہی۔ ان دہائیوں نے عالمی سطح پر ٹکنالوجی اور حوصلہ مند مہم جوئیوں کا پھیلاؤ بھی دیکھا۔ ترقی پذیر ممالک، ترقی یافتہ صنعتی ملکوں کے قدم سے قدم ملا کر چلنے کے لیے بیتاب تھے اور انھیں جلدی تھی۔ اسی لیے انھوں نے انڈسٹریل پلانٹس اور جدید ٹکنالوجی استعمال کرنے والے ساز وسامان کی درآمد میں بڑی بڑی رقمیں لگائیں۔

4.3 نوآبادیوں کا خاتمہ اور آزادی وخود مختاری

جب دوسری عالمی جنگ ختم ہوئی اس وقت دنیا کے بہت سے حصے یورپ کی نوآبادیاتی حکومت کے ماتحت تھے۔ اگلی دو دہائیوں میں ایشیا اور افریقہ کی زیادہ تر نوآبادیات آزاد اور خود مختار ملک بن چکی تھیں۔ لیکن وہ بہرحال افلاس اور وسائل کی کمی کے بوجھ تلے بُری طرح دبی ہوئی تھیں اور ان کی اقتصادیات اور ان کے سماج طویل عرصے تک نوآبادیاتی حکومتوں کے ماتحت رہنے کی وجہ سے بے پناہ دشواریوں سے معذور تھے۔

انٹرنیشنل مانیٹری فنڈ (IMF) اور ورلڈ بینک کو صنعتی ملکوں کی مالیاتی ضرورتوں کو پورا کرنے کے لیے بنایا گیا تھا مگر سابق نوآبادیوں میں ڈیولپمنٹ کی کمی اور افلاس کے چیلنجز کا مقابلہ کرنے کے لیے لیس نہیں تھے۔ چوں کہ یورپ اور جاپان نے اپنی اقتصادیات کو بڑی تیزی کے ساتھ، سنبھال لیا تھا اس لیے IMF اور ورلڈ بینک پر ان کا انحصار کم ہوگیا تھا۔ لہٰذا 1950 کے آخر سے بریٹن ووڈس کے اداروں نے اپنی توجہ کو ترقی یافتہ ملکوں کی طرف موڑنا شروع کردیا۔

نوآبادیات کی حیثیت سے دنیا کے بہت سے کم ترقی کیے ہوئے علاقے مغربی سلطنتوں کا حصہ رہے تھے۔ طرفہ تماشا یہ ہے کہ اپنے باشندوں کو افلاس ونکبت سے باہر نکالنے کے فوری دباؤ کے زیر اثر نئے آزاد وخود مختار ہونے والے ملکوں کی حیثیت سے یہ بین الاقوامی ایجنسیوں کی رہنمائی میں آئے جن پر غلبہ سابق نوآبادیاتی قوتوں کا تھا۔ نوآبادیات کے ختم ہونے کے بہت برسوں بعد بھی سابق نوآبادکار قومیں اپنی سابق نوآبادیوں میں معدنیات اور زمین جیسے اہم وسائل پر اب بھی کنٹرول رکھتی تھیں۔

دوسرے طاقت ور ملکوں مثلاً امریکہ کی بڑی کارپوریشن نے بھی اکثر ترقی پذیر ملکوں کے قدرتی وسائل کے استحصال کے حقوق بڑی کم قیمت میں حاصل کرلیے۔

ساتھ ہی 1950 سے 1960 میں جس تیز رفتار ترقی کا تجربہ مغربی ممالک کی اقتصادیات کو ہوا اس کا بھی کوئی فائدہ ترقی پذیر ملکوں کو نہیں پہنچا۔ اسی لیے انھوں نے ایک نئے بین الاقوامی اقتصادی نظام (NIEO) کا مطالبہ کرنے کے لیے اپنے آپ کو ایک گروپ سنتر کا گروپ (G-77) میں منظّم کرلیا۔ NIEO سے ان کی مراد ایک ایسے نظام سے تھی جو انھیں اپنے قدرتی وسائل پر حقیقی کنٹرول عطا کرے گا۔ ترقیاتی کاموں کے لیے زیادہ امداد، خام مال کے لیے زیادہ منصفانہ قیمتیں اور ترقی یافتہ ملکوں کے بازاروں میں مصنوعات کی آسان دست رس کے مواقع دلائے گا۔

باکس 4

ملٹی نیشنل کارپوریشنز کیا ہیں؟

ملٹی نیشنل کارپوریشنز (MNCs) وہ بڑی کمپنیاں ہیں جو ایک ہی وقت میں بہت سے ملکوں میں کاروبار کرتی ہیں۔ پہلی ایم این سی 1920 میں قائم ہوئی تھیں۔ 1950 سے 1960 میں جب امریکی کاروبار دنیا بھر میں پھیلا، مغربی یورپ اور جاپان بھی طاقتور صنعتی اقتصادیات بننے کے بعد ایک بار پھر بحال ہوئے تو ایسی بہت سی کمپنیاں وجود میں آ گئیں۔ عالمی سطح پر ایم این سی کا پھیلنا 1950 سے 1960 کا قابل ذکر پہلو ہے۔ ایسا کچھ تو حکومتوں کے درآمدات پر لگائے گئے اس زیادہ محصول سے ہوا جس نے ایم این سی کو مجبور کردیا کہ وہ اپنے مصنوعاتی کاروبار کو صحیح جگہوں پر چلائیں اور جتنے زیادہ ملکوں میں ممکن ہو ڈومیسٹک پروڈیوسر بن جائیں۔

نئے الفاظ

محصول (Tariff) ایک ملک کی درآمدات پر باقی دنیا کی طرف سے عائد کیے ہوئے محصول، محصول داخلے کے پوائنٹ پر یعنی سرحد یا ہوائی اڈے پر لیا جاتا ہے۔

© NCERT not to be republished

4.4 بریٹن ووڈس کا اختتام اور گلوبلائزیشن کا آغاز

پائیدار اور تیز رفتار ترقی کے کئی برسوں کے باوجود جنگ کے بعد کی دنیا میں سب خیریت ہی خیریت نہیں تھی۔ 1960 کی دھائی سے امریکہ کی سمندر پار وابستگیوں (Involments) کی بڑھتی ہوئی لاگتوں نے امریکہ کی مالیات (finance) اور اس کی مقابلے کی صلاحیت کو کمزور کر دیا۔ اب دنیا کی اہم کرنسی کی حیثیت سے ڈالر کا پہلا اعتماد اور اس کی سابقہ حیثیت باقی نہیں رہ گئی تھی۔ سونے کے تعلق سے یہ اپنی قدر و قیمت کو بھی برقرار نہیں رکھ سکا۔ اس صورت حال کا نتیجہ بالآخر فکسڈ ایکسچینج ریٹس کی شکست و ریخت اور فلوٹنگ ایکسچینج ریٹس کے تعارف کی شکل میں نکلا۔

1970 کے وسط سے بین الاقوامی مالیاتی نظام میں بھی بڑی اہم تبدیلیاں وقوع پذیر ہوئیں۔ پہلے ترقی پذیر ممالک قرضوں اور ترقیاتی امداد کے لیے بیرونی اداروں سے رجوع کر سکتے تھے۔ مگر اب وہ مغربی کمرشل بینکوں اور قرض دینے والے پرائیوٹ اداروں سے ادھار لینے پر مجبور تھے۔ اس صورت حال نے ترقی پذیر دنیا خصوصاً افریقہ اور لاطینی امریکہ میں وقتاً فوقتاً قرضوں، کم آمدنی اور بڑھی ہوئی مفلسی کے بحران پیدا کیے۔ صنعتی دنیا کو بھی بے روزگاری نے چوٹ پہنچائی۔ یہ بے روزگاری 1970 کے وسط سے شروع ہوئی اور اوائل 1990 تک رہی۔ 1970 کے آخری زمانے سے ملٹی نیشنل کارپوریشنوں نے بھی پیداواری کارروائیوں کو اُن ایشیائی ملکوں کی طرف منتقل کرنا شروع کر دیا جہاں اجرتیں کم تھیں۔

چین 1949 میں ہونے والے اپنے انقلاب کے بعد سے بعد از جنگ عالمی اقتصادیات سے الگ تھلگ رہا تھا۔ مگر چین کی نئی اقتصادی پالیسیوں اور سویت یونین اور مشرقی یورپ میں سویت انداز کے کمیونزم کا زوال بہت سے ملکوں کو دوبارہ عالمی اقتصادیات کے ساتھ واپس لے آیا۔ چین جیسے ملکوں میں اجرتیں نسبتاً کم تھیں۔ اس لیے عالمی منڈیوں پر قبضے کی خواہش مند ملٹی نیشنل کارپوریشنز کے لیے وہ سرمایہ کاری کے پسندیدہ مقامات بن گئے۔ کبھی آپ نے سوچا کہ زیادہ تر ٹی وی سٹس، موبائل فون اور کھلونے جو ہم دوکانوں میں دیکھتے ہیں چین کے بنے ہوئے لگتے ہیں۔ اس کی وجہ چین کی اقتصادیات کا کم لاگت ڈھانچہ اور خصوصاً کم اجرتیں ہیں۔ کم اجرت ملکوں میں صنعت کی منتقلی نے عالمی تجارت اور سرمائے کے بہاؤ کو توانائی بخشی۔ پچھلی دو دہائیوں میں دنیا کا اقتصادی جغرافیہ ہندوستان، چین، اور برازیل جیسے ملکوں میں تیز رفتار اقتصادی تبدیلیوں کی وجہ سے بالکل بدل گیا ہے۔

نئے الفاظ

شرح زر مبادلہ۔ یہ بین الاقوامی تجارت کے مقاصد کے پیش نظر قومی کرنسیوں کو جوڑتی ہے۔ عموماً دو قسم کے ایکسچینج ریٹس ہوتے ہیں۔ فکسڈ (جامد) اور فلوٹنگ (سیال)۔ جامد ایکسچینج ریٹس، جب شرح مبادلہ جامد ہوتی ہے اور حکومتیں ان میں ہونے والی تحریک کو روکنے کے لیے دخل اندازی کرتی ہیں۔

سیال شرح مبادلہ۔ یہ شرحیں فارن ایکسچینج مارکٹ میں کرنسیوں کی مانگ اور سپلائی پر منحصر ہوتی ہیں۔ اصولی طور پر حکومت کی دخل اندازی کے بغیر۔

© NCERT not to be republished

اختصار کے ساتھ لکھیے

1۔ مختلف قسموں کی دوگلوبل تبدیلیوں کی مثالیں دیجیے جوسترھویں صدی سے قبل ہوئیں۔ایک مثال ایشیا کی اور ایک امریکہ کی ہونا چاہیے۔

2۔ بتائیے کہ جدید دنیا سے قبل (Pre-modern world) کی دنیا میں عالمی انتقال امراض نے امریکہ کی نوآبادکاری میں کیسے مدد کی۔

3۔ مندرجہ ذیل کے اثرات پر وضاحتی نوٹ لکھیے۔

(a) برطانوی حکومت کا Cron laws کوختم کرنے کا فیصلہ۔

(b) افریقہ میں طاعون (Rinder pest) کی آمد۔

(c) عالمی جنگ کی وجہ سے کام کرنے والی عمر کے لوگوں کی موت۔

(d) ہندوستانی اقتصادیات پر عظیم کساد بازاری کا اثر۔

(e) پیداواری سرگرمیوں کو ایشیائی ملکوں میں منتقل کرنے کا ملٹی کارپوریشنز کا فیصلہ۔

4۔ تاریخ سے خوراک کی فراہمی پر ٹکنالوجی کے اثرات کی دو مثالیں دیجیے۔

5۔ بریٹن ووڈس معاہدہ سے کیا مراد ہے؟

اختصار کے ساتھ لکھیے

تبادلۂ خیال کیجیے

6۔ تصور کیجیے کہ آپ کیری بین میں ایک ہندوستانی بندھوا مزدور ہیں، اس باب سے تفصیلات لیتے ہوئے اپنے اہل خاندان کو ایک خط لکھیے جس میں اپنی زندگی اور اپنے احساسات کے بارے میں بتائیے۔

7۔ بین الاقوامی اقتصادی اکسچینج میں بہاؤ یا movements کی تین قسموں کی وضاحت کیجیے۔ ہر قسم کی ایک ایسی مثال بھی ڈھونڈیے جس کا تعلق ہندوستان اور ہندوستانیوں سے ہو۔

تبادلۂ خیال کیجیے

8۔ عظیم کساد بازاری کے اسباب بتائیے۔

9۔ G-77 ممالک سے کیا مراد ہے؟ وضاحت کیجیے۔ G-77 کو کس کس طرح بریٹن ووڈس تو ام کی کارگزاریوں کے ردعمل کے طور پر دیکھا جا سکتا ہے؟

پروجیکٹ

19 ویں صدی میں جنوبی افریقہ میں سونے اور ہیروں کی کان کنی کے بارے میں کچھ زیادہ معلومات حاصل کیجیے۔ سونے اور ہیروں کی کمپنیوں پر کس کا کنٹرول تھا؟ کان کن کون تھے اور ان کی زندگیاں کیسی تھیں؟

پروجیکٹ

© NCERT not to be republished